© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ظفر اقبال :

مولوی بشیرالدین احمد : احوال و آثار

بیسویں صدی کے اوائل میں جن شخصیات نے علم و ادب کے مختلف شعبوں میں قابل ذکر خدمات انجام دیں ، ان میں بشیرالدین کا نام بھی ممتاز حیثیت کا حامل ہے ۔ وہ ۱۸۶۱ء میں پیدا ہوئے ، ان کی تحریری سرگرمیوں کا آغاز ۴۷ سال کی عمر میں ہوا ، اور علم و ادب کا یہ شیدائی (بوجہ فالج) دو سال صاحب فراش رہ کر ۱۹۲۸ء میں راہی ملک عدم ہوا ۔

اپنی تصنیفی زندگی کے اٹھارہ سالوں میں انھوں نے ۲۳ ، کتابیں تصنیف ، تالیف و ترجمہ کیں ۔ بیشتر علماء و ادباء کے برعکس انھوں نے تحریری کام بہت تاخیر سے ، یعنی ۴۷ سال کی عمر میں شروع کیا ، جسے شاھد احمد دھلوی نے "آغاز جوانی" قرار دیا ہے ۔ اپنے ایک مضمون میں ، شاھد احمد دھلوی نے اپنے والد بشیرالدین احمد کی بابت لکھا ہے : "ابا کو پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا ، چنانچہ آغاز جوانی ھی میں انھوں نے حسن معاشرت جیسا اصلاحی ناول لکھ ڈالا تھا ۔" (میرے والد مرحوم ۔ ص ۱۷) ۔ اس بیان میں دو باتیں محل نظر ھیں ، پہلی آغاز جوانی اور دوسری حسن معاشرت کا زمانۂ تصنیف ۔ بشیرالدین ۱۸۶۱ میں پیدا ہوئے ، ۱۹۰۸ء میں انھوں نے اپنی پہلی کتاب لکھی جس کا نام "اقبال دلہن" ہے ۔ اگر ۱۹۰۸ میں سے ۱۸۶۱ نفی کریں تو حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۷ آتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے پہلی کتاب سینتالیس برس کی عمر میں تحریر کی۔ اب اگر شاہد احمد دہلوی سینتالیس برس کی عمر کو "آغاز جوانی" قرار دیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حسن معاشرت، اقبال دلہن کے چار سال بعد یعنی ۱۹۱۲ء میں لکھی گئی۔

بشیرالدین احمد کا آج تک بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا گیا اور نہ ان کے فن پر کوئی قابل ذکر مضمون ہی لکھا گیا۔ شاہداحمد دہلوی نے ان کی حیات و سیرت پر ایک مضمون لکھا تھا۔ (مکمل حوالہ ماآخذ میں دیکھیے) یہ مضمون بنیادی طور پر بشیرالدین کی سیرت کا احاطہ کرتا ہے اور ان ہی حدود میں وہ قابل وثوق بھی ہے۔ لیکن اپنے والد کے علمی سرمائے پر گفتگو کرتے ہوئے وہ متعدد تسامحات کا شکار ہوئے ہیں۔ بشیرالدین کا ایک سوانحی خاکہ ان کے بیٹے محمد مسلم دہلوی نے لکھا تھا (مکمل حوالہ ماآخذ کے تحت)۔ محمد مسلم کا تحریر کردہ خاکہ ان کے نسیان اور عدم واقفیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر پندرہ صفحات کے اس خاکے کا محاکمہ کیا جائے اور اس میں بیان کردہ سنین، اسماءُ کتب اور دیگر حقائق کا تحقیقی جائزہ لیا جائے تو بجائے خود ضخیم مقالہ تیار ہو سکتا ہے، لہذا راقم نے بشیرالدین کے مطالعے کے لیے صرف ان ہی کی کتب کو بنیاد بنایا ہے اور جہاں بھی اضافی معلومات بیرونی ذرائع سے حاصل ہوئیں، انھیں پرکھ کر قبول کیا گیا ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ ان کی کتب کی فراہمی کا تھا۔ پاکستان کے بیشتر کتب خانے کھنگالنے کے بعد بھی ان کی چند کتب دستیاب نہ ہوسکیں۔

بشیرالدین کا مطالعہ مختلف جہات سے کیا جاسکتا تھا، کیونکہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہوں نے ناول لکھے، انگریزی کتابوں کے ترجمے کیے، تاریخی کتب کی تالیف کی، لطائف کے مجموعے مرتب کیے، عورتوں کی تعلیم و تربیت کے مسائل پر لکھا، شاعری کی اور زبان، ادب و انشاء وغیرہ میں بھی طبع آزمائی کی۔ ایسی کثیرالجہات علمی شخصیت کا مطالعہ موضوعات کے لحاظ سے بھی کیا جا سکتا تھا، یعنی ان کی تحریروں کو متعلقہ موضوعات میں تقسیم کرکے، ہر ہر موضوع کا الگ الگ جائزہ لیا جاتا، لیکن ہم نے ان کا مطالعہ ارتقائی شکل میں کیا ہے۔ سب سے پہلے مختلف داخلی و خارجی مآخذ کی مدد سے ان کی مختصر سوانح مرتب کی ہے، اس کے بعد ان کی کتب کا عہد بہ عہد جائزہ لیا ہے۔ اس طرح ان کی کتب کے مطالعے کے ساتھ ساتھ ان کے علمی میلانات اور فکری جہات کی ارتقائی صورتیں بھی واضح ہوتی چلی گئی ہیں۔

حیات :

بشیرالدین احمد ۴ آگست ۱۸۶۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔۱ قرآن شریف والدہ نے پڑھایا ۲۔ اردو، فارسی، عربی اور انگریزی کی ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی نذیر احمد حاصل کی۔ مولوی نذیر احمد نے ان ہی کے لیے چند پند اور ما یغنیک عن الصرف تصنیف کی تھی ۳۔ مولانا نے اردو اور قدرے فارسی کے بعد عربی شروع کرادی۔ کافیہ، شرح ملا تک پڑھا کر ادب کی دو ایک کتابیں پڑھائیں پھر قرآن مجید کے چند جزو سبقاً سبقاً مع معنی و تفسیر و ترکیب صرف ونحو کے پڑھائے، اس کے ساتھ ہی انگریزی زبان کی نوشت و خواند بھی جاری رکھی ۴۔ مولوی بشیرالدین نے اپنی کتاب "لخت جگر" حصہ اول میں اپنے خود نوشت احوال شامل کیے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جن کا اختصار پیش کیا جاتا ہے : "پندرہ برس کی عمر تک میں ایک دن ان (والد) سے جدا نہیں ہوا۔ وہ بسلسلۂ ملازمت باہر رہنے لگے تو مجھے دلی کے ہائی اسکول کی انٹرنس سے ایک جماعت ورے داخل کرادیا جو اب نویں جماعت کہلاتی ہے۔ مدرسے میں جو میں صرف ڈھائی تین سال رہا تو پڑھتا نہیں رہا بلکہ ان کا پڑھایا بھلاتا رہا۔ انٹرنس تک تو میں نے مارے باندھے یا ڈر سے پڑھا مگر مجھے ریاضی سے دلچسپی نہ تھی، جی چرانے لگا۔ لٹریچر اور اقلیدس میں ہمیشہ اپنی جماعت میں اول رہا۔ عربی میں تو سارے صوبہ پنجاب میں فرسٹ آیا۔ ریاضی پر نہ والد نے زیادہ زور دیا نہ میں نے توجہ کی۔ . . . میرے والد نہیں چاہتے تھے کہ میں تعلیم کا سلسلہ منقطع کروں مگر میرا دل اچاٹ ہو گیا تھا، ایسی حالت میں میری ملازمت کا مسئلہ ایک غور طلب امر تھا۔ مسٹر جے آر ریڈ، والد کے شناسا و مہربان تھے۔ ریڈ صاحب بریلی کے کلکٹر ہوئے تو مجھے لکھا کہ تو آجا وہلۂ اول میں تجھے تحصیل داری دوں گا، مگر مشیت ایزدی کچھ اور تھی، اسلامی ریاست کا نمک خوار ہونا تقدیر میں لکھا تھا، حیدرآباد پہنچا۔ سالار جنگ اول کا زمانہ تھا، چھوٹتے ہی ڈیڑھ سو وظیفۂ کار آموزی مقرر ہوا۔ ترقی کرتا رہا مگر رفتار ترقی بہت سست تھی، برسوں سوم تعلقدار رہا، پھر دوم تعلقدار ہوا۔ تیس برس کس مپرسی میں پڑا رہا، پھر بھی مرہٹ کر پانصدی تو ہو ہی گیا۔ میں نے مسٹر ڈنلاپ کو لکھا کہ آپ کے عہد میں یہ کیا حق تلفی ہو رہی ہے؟ ان کی تحریک سے محکمہ مال گذاری میں تقرر ہوگیا، میرے پانچ سو سے آٹھ سو ہوگئے۔ دو برس حیدرآباد میں رہا۔ ڈنلاپ صاحب کی توجہ سے ضلع کا تعلقدار بنا، پانچ برس تعلقداری کی نوکری سے دل بیزار ہوگیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پچپن برس کی عمر ہوئی اور ساتھ ہی سروس کی میعاد بھی ختم ہوئی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ ڈیڑھ سو سے شروع اور ہزار روپے پر ملازمت کا خاتمہ ہوا۔ قید ملازمت سے آزاد ہوا۔ ۵ شاہد احمد دہلوی نے لکھا ہے کہ: "اپنی اعلیٰ کارکردگی کی وجہ سے اول تعلقداری تک ترقی کی، صوبہ داری انھیں ملنے والی تھی کہ ملکی اور غیر ملکی سازشوں سے متنفر ہوکر قبل از وقت پنشن لے کر دلی چلے آئے۔ دلی میں ان کے لیے بہت سے ضروری کام رکے ہوئے تھے۔ دلی آنے کے بعد ابا نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ دادا ابا کی سب کتابیں خاص اہتمام سے چھاپیں۔ بڑا قرآن شریف اور حمائل آگرے میں صوفی قادر علی خاں کے پریس سے چھپوا کر منگائی۔ دادا ابا کی کتابوں کے بعد اپنی سب کتابیں چھپوائیں"۔ ٦

"میری پہلی شادی سترہ سال کی عمر میں دلی کے چوٹی کے خاندان میں ہوئی۔ کئی برس تک تو کوئی اولاد نہ ہوئی تو دوسرے نکاح کی بھنبھنی میرے کان میں پڑی۔ جب سنتا تھا کہ لوگ سہرا دوسرا نکاح کرنے پر تلے ہوئے ہیں، میں کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا، اسی لیت و لعل میں اٹھارہ برس کا ایک جگ گزر گیا۔ اسی اثنا میں اپنے ماموں مولوی عبدالحامد صاحب کے پاس ملنے چلا گیا جو اناو میں ڈپٹی کلکٹر تھے، وہ مجھے مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب کی خدمت میں گنج مرادآباد لے گئے، میں بھی حاضر ہوا، ارشاد ہوا بعد مغرب آنا۔ مغرب کے بعد ہم ماموں بھانجے پھر گئے، ماموں نے عرض کی آپ دعا کیجیے کہ بشیر کے ہاں لڑکا ہو! آپ نے فوراً ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور ساتھ ہی مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: میاں لڑکے! لڑکا تو ان شاءاللہ تمھارے ہوگا، مگر اس بیوی سے نہیں، دوسری شادی کرو اور ہاں دیکھو اس لڑکے کو ہمارے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پاس ضرور لانا"۔ اب کیا تھا، مولانا کے ارشاد نے نکاح کے ارادے کو جو ڈسمس تھا، رجسٹری فرمادی۔ ہمارے کنبے والوں نے ورے پرے کے رشتے کی ایک لڑکی ٹھہرالی جو ذات کی سید، حسب نسب کی اچھی اور شریف لوگ تھے۔ نکاح کا دن ٹھہر گیا، میں جس طرح بیٹھا تھا میرے والد ویسا ہی مجھے اٹھا کر پا پیادہ دلہن کے گھر لے گئے، گنتی کے دو چار رشتے دار وہ بھی قریب کے ساتھ تھے اور خود ہی مغرب سے پہلے نکاح پڑھادیا۔ خدا جانے کس خلوص نیت، کس عجز و الحاح سے گڑگڑا کر دعا مانگی ہوگی کہ جس مراد کے واسطے کیا تھا وہ پوری ہوئی اور پوری بھی خاطرخواہ ہوئی۔ میری دلی مراد برآئی اور خدا نے جیتا جاگتا بیٹا دیا (جو ۱۷ اکتوبر سنہ ۱۹۰۳ء کو پیدا ہوا) ابا نے اس کا نام منذر رکھا۔ سوا برس نہ گزرا تھا کہ مبشر پیدا ہوا۔ (میرے) سب بچوں میں تقریباً سوا سوا برس کا فرق ہے۔ خدا کے فضل سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، صرف صرف لڑکا منور گذر گیا۔ (اہلیہ) کبھی میرے ساتھ رہتی تھیں اور کبھی دلی میں۔ چوں کہ والدہ کی ضعیفی تھی اور گھر میں کوئی اور نہ تھا، اس لیے ان کو دلی میں رہنا ناگزیر تھا، لیکن والد اپنی تکلیف گوارا کرتے اور اصرار کرتے کہ تم اپنے بال بچوں کو اپنے پاس رکھو۔ والد کو ہمارے جانے کے چند مہینے بعد فالج ہوا میں آتا ہی رہا کہ وہ ختم ہوگئے۔ اس کے چار مہینے بعد صفیہ پیدا ہوئی جس کے دسویں دن اہلیہ نے قبر کا کونا بسایا۔ بسا بسایا گھر چشم زدن اجڑ گیا، چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر اس گھر میں رہنا جہاں ہر وقت ان کی یاد تازہ ہوتی تھی، ناممکن تھا۔ میں نے نقل مکان کا مصمم ارادہ کرلیا۔ یہ مشکل بھی میرے مشکل کشا نے آسان کی، کہ بہ ترقی عثمان آباد کا تبادلہ ہوا۔ اضلاع میں ساری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمر کاٹی، مفصلات کی زندگی سے دل گھبرا گیا تھا؛ بلدہ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں کچھ دنوں رہنے کی مدت سے تمنا تھی، وہ بھی میرے کارساز نے پوری کی۔ ایک سال تو طاعون کے وبال میں کٹا، دوسرے سال یہ سانحہ پیش آیا، غرض حیدرآباد چھوٹا اور بری طرح چھوٹا۔ میرا تیسرا نکاح میری سگی پھوپھی زاد بہن کی لڑکی سے ہوا۔ میں رانچپور سے کرت پور گیا اور بلا کسی ریت رسم کے نکاح ہوا۔ ان سے اللہ نے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں دیں۔ (اب) تین برس سے خانہ نشین ہوں، تصنیف و تالیف کا مشغلہ ہے۔" ۷

"۱۹۲۶ء میں جاڑوں کے دن تھے، ایک صبح جو اٹھے تو انھیں اپنا دایاں ہاتھ اور پانو سن محسوس ہوا۔ فراش خانہ والے کلیم سراج الدین کا ہمارے ہاں علاج ہوتا تھا۔ حکیم جی کو بلوایا گیا۔ انھوں نے کہا کہ فالج کا اثر ہے۔ بہت توجہ سے حکیم جی نے علاج کیا، مگر اثر کم نہ ہوا۔ ابا کہتے تھے موت کا پیغام آگیا، اس کا کوئی غم نہیں ہے، مرنا برحق ہے، غم اس کا ہے کہ میرا پڑھنا لکھنا سب بند ہوگیا۔ کتنے ادھورے کام رہ گئے۔ حکیم سراج الدین کے بعد حکیم بھورے میاں اور حکیم ظفرخاں کا علاج بھی کیا گیا، حالت گرتی ہی گئی۔ بنارس سے ایک وید کو بھی بلایا تھا اس کے علاج سے بھی افاقہ نہ ہوا۔ دو سال تک یہی کیفیت رہی۔ اللہ کا اتنا کرم ضرور رہا کہ چل پھر لیتے اور چھوٹے موٹے کام خود کر لیتے۔ آخر میں ڈاکٹر انصاری کو بلوایا۔ ڈاکٹر انصاری ابا کو دیکھ کر رنجیدہ ہوئے، انھوں نے یہی کہا کہ آپ اچھے ہو جائیں گے مگر باہر نکل کر ہم سے کہا کہ امید بچنے کی نہیں ہے۔ غرض انھوں نے ۱۹۲۸ء میں وفات پائی۔" ۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیرت:

شاہد احمد دہلوی نے اپنے والد کی حیات و سیرت کی بابت ایک مضمون لکھا تھا۔ اس مضمون میں انھوں نے بشیرالدین کی سیرت کے انتہائی اہم پہلوؤں کا نہایت خوبی وجامعیت کے ساتھ احاطہ کیا ہے۔ چونکہ اس مضمون میں بیان کردہ معلومات مستند اور قابلِ وثوق ہیں، لہذا اس کے اہم اندراجات یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

"میرے والد بڑے محنتی آدمی تھے۔ گرمیوں میں صبح چھے بجے ناشتہ کر کے لکھنے پڑھنے کے کام پر جم جاتے۔ میز کرسی نہیں، فرش پر بیٹھتے تھے۔ صدر دالان میں چاندنی کا فرش، پیچھے گاؤتکیہ، آگے لمبی سی نیچی میز، میز پر کاغذوں کے انبار، دونوں پہلوؤں میں کتابوں کے ڈھیر، بائیں طرف بڑے سے تھال میں اونچا سا حقہ جس کی سٹک ان کی گود میں پڑی رہتی۔ ایک لڑکا صرف حقے ہی پر نوکر تھا۔ اس کا یہ کام تھا کہ صبح سے رات گئے تک حقے تازہ کرتا رہے، اور چلمیں بھرتا رہے۔ بیسیوں قسم کے حقے گھر میں تھے، لکھنؤ کے ہر دم تازہ اور گڑگڑی سے لے کر نصف قد آدم تک کے حقے۔ خمیرہ اور تمباکو لکھنؤ سے آتا تھا اور اس کی خوشبو سے سارا گھر مہک جاتا تھا۔ گرمیوں میں دالان کے تینوں دروں پر خس کی ٹٹیاں لگ جاتیں، ہر گھنٹے دو گھنٹے بعد انھیں تر کیا جاتا۔ سقفی پنکھا فراٹے بھرتا۔ اس پُر سکون اور ٹھنڈی فضا میں ابا اپنے کام میں کھو جاتے۔ حقے بھی بس ہی کے استعمال کیے جاتے۔ ابا کو اپنے کام میں اس قدر انہماک ہوتا کہ انھیں دین و دنیا کی کچھ خبر نہ رہتی۔ بارہ ساڑھے بارہ بجے بی مغلانی ہلکے سے کھانس کھنکار کے دالان میں داخل ہوتیں اور کہتیں "سرکار کھانا تیار ہے۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابا چونک کر ہاتھ سے قلم رکھ دیتے۔ اگلے دالان میں فرش بچھ جاتا۔ اتنے کھانا چنا جاتا اور ہم سب قرینے سے ہو بیٹھتے۔ ابا ہاتھ دھو کلّی کر دسترخوان پر آجاتے ... ابا بڑے خوش مذاق آدمی تھے۔ کھانے من بھاتا پہنے جگ بھاتا، اچھے سے اچھا باورچی ملازم رکھتے اور عمدہ کھانے پکواتے۔ لباس کے بہت شوقین تھے۔ دیسی اور ولایتی سب ہی قسم کے کپڑے تھے اور اتنے زیادہ کہ ان کے پہننے کی باری نہیں آتی تھی۔ ایک زمانے میں انگرکھا بھی پہنا کرتے تھے۔ ورزشی جسم تھا، اس لیے ان پر پھبتا بھی خوب تھا۔ سیکڑوں ہی جوڑے جوتے اور جوتیوں کے ان کے پاس تھے۔ لونگ ہوٹس سے لے کر سلیم شاہی تک کوئی قسم جوتی کی نہیں بچی تھی۔ یہی حال ٹوپیوں کا تھا۔ سولا ہیٹ سے دوپلی تک سب ہی موجود۔ چھڑیوں کے کئی گٹھے تھے، جن میں سونٹے بھی تھے اور قمچیاں بھی۔ سواری کے لیے گھوڑے ہمیشہ ان کے پاس رہے۔ دلی آنے کے بعد بھی دو بگھیاں گھر پر رہیں۔ موٹر انھوں نے کبھی نہیں رکھی۔ کتابیں ان کے پاس کئی ہزار تھیں۔ دو کمروں میں کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ پنشن لینے کے بعد ان کا اوڑھنا بچھونا ہی کتابیں رہ گئی تھیں۔ ظہر کی نماز پڑھ کر آرام کرتے اور عصر کے بعد پھر لکھنے بیٹھ جاتے تو عشاء کے وقت اٹھتے۔ رات کے کھانے کے بعد لیٹ کر مطالعہ کرتے۔ گیارہ سے پہلے نہیں سوتے تھے اور صبح اذانوں کے وقت اٹھ جاتے اور اپنے کمرے ہی میں ورزش کر لیتے تھے، خصوصاً سینڈو کے ڈمبل، ساٹھ سال کی عمر میں چالیس کے معلوم ہوتے۔

حیدرآباد میں جب میری والدہ کا انتقال ہوا تو میری عمر چھے سال کی تھی۔ ابا نے ہم کو اس اہتمام سے پالا کہ ہمیں اپنی ماں کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کمی شاید ہی کبھی محسوس ہوتی ہو۔ نوکر چاکر اور خادماؤں کے علاوہ ہم پر یورپین گورنسیں رکھیں، نرسیں اور آیائیں رکھیں اور ہمیں اعلیٰ درجے کے ان کونونٹ اسکولوں میں پڑھوایا جن میں دیسی بچوں کا داخلہ نہیں ہوتا تھا۔ شام کو ہم سب کو گھنٹہ دو گھنٹے انگریزی اور فارسی خود پڑھاتے اور حساب اور دوسرے مضامین پڑھانے کے لیے ٹیوٹر مقرر کیے۔ ابا نے ہماری تعلیم و تربیت کے لیے کبھی روپے کا منہ نہیں کیا۔ دل کھول کر خرچ کرتے، پیسے کی کمی بھی نہیں تھی۔ علاوہ کئی لاکھ کے اندوختے کے تین چار ہزار روپے مہینے کی یافت تھی۔ سلیقہ‌مند آدمی تھے۔ کسی عیب میں بھی نہیں تھے۔ دلی کے نام‌نہاد نوابوں سے زیادہ ٹھاٹھ کی زندگی گزارتے۔ سرکار میں بھی بات بنی ہوئی تھی۔ خطاب اور آنریری مجسٹریٹی کی کئی دفعہ پیش‌کش ہوئی مگر یہ کہہ کر رد کردی کہ اس سے میرے علمی مشاغل میں فرق آتا ہے۔ خاں بہادری سے انھیں نفرت تھی۔ شمس‌العلماء کا خطاب تجویز ہو رہا تھا کہ پیام اجل پہنچ گیا۔

ابا بڑے مذہبی خیال کے آدمی بھی تھے۔ ان کی ابتدائی تصریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ڈاڑھی کبھی نہیں منڈوائی۔ بڑی خوبصورت بھربری ڈاڑھی تھی ابا کی، مگر دو انگشت سے آگے کبھی نہیں بڑھی۔ اتنی ہی ڈاڑھی دادا ابا کی بھی تھی مگر چھدری۔ ابا کا خط بھرواں تھا۔ نماز پابندی وقت کے ساتھ پنج وقتہ پڑھتے تھے۔ رمضان شریف میں تراویح بھی پڑھتے۔ قرآن شریف روانی اور خوش الحانی سے پڑھتے اور ماہ صیام میں ہر تیسرے دن ایک قرآن ختم کرتے۔ ہم سب کو بھی نماز روزے کی تاکید تھی۔ سحری اور افطار میں سب شریک ہوتے۔ میلاد اور وعظ بھی ہوتا۔ زکواۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی ابا بڑی پابندی سے نکالتے۔ غریب اور مسکین رشتہ داروں اور کنبہ داروں کے ماہانے مقرر تھے۔ بیواؤں اور یتیموں کا حق ان کے بعد آتا تھا۔ ہمارے گھر میں سختی سے پردہ کیا جاتا تھا۔ گھر کی عورتیں کبھی ملنے ملانے یا شادی، غمی میں جاتیں تو گھر کی بند بگھی میں یا ڈولی میں، اور ڈولی کے پردے پر بھی ایک چادر ڈال دی جاتی۔ بارہ برس سے زیادہ عمر کا لڑکا زنانہ گھر میں ملازم نہیں رکھا جاتا تھا۔ دادا ابا خاصے کٹر مولوی تھے، وہ دین کے آگے دنیا کی کوئی پروا نہیں کرتے تھے۔ ابا دین اور دنیا دونوں رکھتے تھے۔ تھیٹر اور سنیما دیکھتے اور ہمیں بھی دکھاتے۔ ہماری شادیوں میں برات کے ساتھ بینڈ باجا تو نہیں بجا لیکن دو دو تین تین دن تک مشہور طوائفوں کے ناچ گانے، بھانڈوں کے مجرے اور نقالوں کی نقلیں ہوتی تھیں۔ یہ محفلیں مخصوص ہوتی تھیں۔ اور ان میں صرف ان شرفاء کو مدعو کیا جاتا تھا جنھیں اس فن کا ذوق ہوتا۔ ان محفلوں میں بیلیں نہیں دی جاتی تھیں اور نہ کوئی بیہودگی روا رکھی جاتی تھی۔ ۹

بشیرالدین نہ صرف خود جیّد ادیب تھے بلکہ ادیب گر بھی تھے۔ وہ متعدد طریقوں سے نئی نسل کی حوصلہ افزائی کرتے تھے تاکہ نئے لوگ اس میدان میں داخل ہوں اور افکار تازہ سے جہانِ علم و معنی منور ہوتا رہے۔ اشرف صبوحی نے درج ذیل واقعے میں ان کی اس صفت کی شرح بیان کی ہے: ایک دن کا ذکر ہے۔ میں پھوپھا صاحب کے دیوان کی تصحیح کرا رہا تھا، جو دیوان بشیر کے نام سے چھپ چکا ہے۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر میں چند سطریں بطور تقریظ دیوان بشیر پر لکھ کر پھوپھا صاحب کی خدمت میں پیش کردوں؛ اس درخواست کے ساتھ کہ از راہ ہمت افزائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس تقریظ کی اصلاح فرما کر اپنے دیوان میں شامل کرلیں تو کتنا اچھا ہو۔ چنانچہ میں نے ہمت کر کے رکتے جھجھکتے اپنی درخواست کو پھوپھا صاحب کی خدمت میں پیش کر ہی دیا۔ میری طفلانہ خواہش کو سن کر پہلے تو انھوں نے کچھ سوچا پھر مسکرا کر فرمایا بہت اچھا، تم جو کچھ لکھنا چاہتے ہو دو تین روز میں لکھ کر لے آؤ کیونکہ اب اس دیوان کی چھپائی میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ بھلا میٹرک کے لڑکے کو تقریظ لکھنے کی کیا تمیز۔ مجھ سے سوچ سوچ کر دو روز میں برا بھلا جو کچھ لکھا گیا لکھ کر لے گیا اور ان کی خدمت میں پیش کردیا۔ پھوپھا صاحب کی شفقت دیکھیے کہ انھوں نے میری تقریظ کو دوبارہ لکھ کر اور میرے نام سے پہلے مولانا مولوی کا اضافہ فرما کر اور تقاریظ کے ساتھ اپنے دیوان میں شامل کردیا۔ جس طرح ایک نئے پتنگ اڑانے والے کو پتنگ اڑانے کے لیے دریائی مل جائے تو پھر اس کا پتنگ ہوا میں باتیں کرنے لگتا ہے، یہی حال میرا ہوا۔ ۱۹۲۴ء میں یہ میری پہلی کوشش تھی جو پروان چڑھی اور پھوپھا صاحب کی شفقت و مرحمت سے پہلے پہل میرا نام عزت کے ساتھ ایک کتاب میں آیا اور ان کے دریائی دینے سے میں بھی ہوا میں باتیں کرنے لگا۔"۱۰

تصانیف:

۱۔ اقبال دلہن:

بشیرالدین نے یہ کتاب اپنے قیام لنگسگور (دکن) کے دوران ۱۹۰۸ء میں لکھی۔ اس وقت وہ اس جگہ بحیثیت تعلقدار دوم تعینات تھے۔ اقبال دلہن پہلی مرتبہ ۱۹۱۰ء میں حیدرآباد سے شائع ہوئی اس کی دوسری اشاعت دسمبر ۱۹۱۳ء میں تین سو صفحات پر عمل میں آئی۔ اس وقت وہ ضلع رائچور میں تعلقدار اول کے عہدے پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترقی پاچکے تھے۔ اقبال دلہن ان کا پہلا ناول ہے۔ اس ناول میں بشیرالدین نے نکاح ثانی کے عیوب و محاسن کو شرعی و معاشرتی ضروریات کے پس منظر میں بیان کیا ہے۔ اپنی پہلی تصنیف کی وضاحت کرتے ہوئے دیباچہ طبع ثانی میں رقم طراز ہیں: جس طرح ماں باپ کو پہلونٹی کا بچہ پیارا ہوتا ہے، اسی طرح ہر مصنف کے لیے اس کی پہلی تصنیف آنکھ کا تارا ہوتی ہے۔ اقبال دلہن بھی بلحاظ میری پہلی تصنیف ہونے کے اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں۔" (ص ۳)۔ اس کتاب کی وجہ تصنیف کی بابت لکھتے ہیں: ڈپٹی نذیراحمد نے محصنات میں ایک دلچسپ قصے کے پیرائے میں نکاح ثانی کے مضمر نتائج اور اہم نقصانات بیان کیے ہیں، میں نے اس قصے میں پرانے اور حال کے طریقہ تعلیم کو بمقابلہ دکھایا ہے۔ انگریزی تعلیم سے جو آزادانہ خیالات اور تزلزل عقائد پیدا ہوجاتا ہے، حتی المقدور اس کی روک تھام کی کوشش کی ہے۔ مسلمانوں کے شریف گھرانوں کے تمدنی حالات، شادی بیاہ کی رسوم کو علیٰ تسلسل بیان کیا ہے۔" (دیباچہ طبع اول، ص ۴)

بیسویں صدی کے اوائل میں فرنگی تہذیب و تعلیم کے زیر اثر مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کی قابل لحاظ تعداد نے نکاح ثانی اور تعدد ازدواج کے خلاف بے محابا لکھنا شروع کیا۔ جب ہم اس دور کے رسائل کا جائزہ لیتے ہیں تو اس موضوع پر درجنوں مضامین دستیاب ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس موضوع پر مطبوعہ کتب کی بھی خاصی تعداد موجود ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ بیشتر مضمون نگاروں نے بے حد افراط و تفریط کا ثبوت دیا ہے۔ بعض نے تو صرف مخالفت برائے مخالفت کے طور پر اشہب قلم کو بے لگام دوڑایا ہے۔ بشیرالدین نے بھی اس عہد کے مرغوب موضوع پر خامہ فرسائی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، لیکن انھوں نے اعتدال، توازن، دلیل اور غور و فکر کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ خود اسی تجربے سے گزر چکے تھے، ان کا دوسرا نکاح ۱۹۰۲ء کے لگ بھگ ہوا تھا، گویا ان کا عمل ان کے زاویۂ فکر سے متصادم ہوچکا تھا، اس صورت حال کی روداد انھوں نے اس طرح قلمبند کی ہے: "ہم نے اس کتاب میں تعدد ازدواج کے سخت مذموم طریقے کو اس کی اصلی اور ڈراونی شکل میں دکھلایا ہے۔ . . . لیکن ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم آنکھوں پر پٹی باندھ لیں اور مسلمانوں کی جائز اور مصلحت آمیز مذہبی آزادی کو بہ یک قلم چھین لیں، یا نعوذ باللہ نص قرآنی کو ناواجب العمل ٹھہرائیں۔ . . . خداوند تبارک تعالیٰ نے مسلمانوں کو قیود خاص کے ساتھ تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے۔ . . . اس حکم الٰہی پر عمل کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہیے، مگر کب؟ جب کہ اس کی سچی اور واقعی ضرورت ہو! یعنی یہ کہ پہلی بیوی عقیم ہو یا اس میں کوئی ایسا جسمانی نقص ہو جس سے عقم مشخص ہوجائے اور اولاد ہونے کی توقع باقی نہ رہے۔ سب سے بڑی غرض آفرینش آدم کی دنیا کا آباد کرنا ہے اور یہ بدون توالد و تناسل کے ناممکن ہے۔ تزویج و مناکحت دنیا میں نسل انسانی کے پھیلانے کا فطری اور جائز ذریعہ ہے۔ بنجر زمین میں تخم ڈالنا بے سود ہے۔ اگر باوجود مناکحت کے اصلی نتیجہ توالد و تناسل کا حاصل نہ ہو تو یہ فعل حرکت بہیمی میں داخل ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کا علاج پیدا کیا ہے۔ اب فرمائیے کہ لاولدی کے جاں فرسا مرض کا علاج سوائے ازدواج مکرر کے کچھ اور بھی پردۂ دنیا پر ہے؟ نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے۔ یہیں سے احکام اسلام کی سچائی اور خداوند تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا پتا چلتا ہے، نیز اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امر کا کہ یہ حکم الٰہی بالکل فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ (دیباچہ طبع ثانی، ص ۱۰)

اقبال دلہن کو اس عہد میں خاصی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے لیے مولوی ذکاءاللہ، نواب وقارالملک، وحیدالدین سلیم پانی پتی، مولوی نذیر احمد، مولوی عبدالحامد اور مولوی سید احمد دہلوی نے تقاریظ لکھیں اور اہم اخبارات و رسائل میں اس پر تبصرے شائع ہوئے جن میں اخبار دکن (مدراس)، رسالہ عصمت، مدراس ٹائمز، علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور رسالہ العصر قابل ذکر ہیں، علاوہ ازیں سائل دہلوی اور احسن مارہروی وغیرہ نے قطعات تاریخ لکھے جو کہ اقبال دلہن کی دوسری اشاعت میں جمع کردیے گئے ہیں۔

۲ - حرز طفلاں :

امریکہ کے ڈاکٹر سلوینس اسٹال نے کتابوں کا ایک سلسلہ لکھا تھا جس کا عنوان تھا :

1. What a young boy ought to know

اور

2. What a young man ought to know

ان کتب میں ڈاکٹر اسٹال نے نو عمر اور بالغ افراد کی ذہنی و جسمانی صلاحیتوں اور ان میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کو مدنظر رکھ کر طبی نقطہ نگاہ سے مفید معلومات فراہم کی تھیں۔ جب یہ کتابیں بشیرالدین کی نگاہ سے گذریں تو انھوں نے ان کتب کو بوجوہ مفید پایا اور غالباً ڈاکٹر اسٹال کے ساتھ مراسلت کی، کیونکہ انھوں نے شمع ہدایت میں لکھا ہے کہ ڈاکٹر اسٹال نے انھیں نہ صرف اپنی تمام کتابیں تحفۃً ارسال کیں بلکہ ترجمے کا اجازت نامہ بھی مرحمت فرمایا، بہرحال اس سلسلے کی پہلی کتاب (What a

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

young man ought to know) تھی جس کا ترجمہ بشیرالدین نے حرز طفلاں کے عنوان سے کیا۔ حرز طفلاں لنگسگور کے قیام کے دوران ۱۹۰۹ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی۔ اس کی دوسری اشاعت ۱۹۱۷ء میں ہوئی۔ یہ کتاب تیسری مرتبہ دلی پرنٹنگ ورکس، دھلی سے ۱۴۸ صفحات پر طبع ہوئی۔ اس ایڈیشن پر تاریخ اشاعت درج نہیں۔

یہ کتاب چھے ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے قریب البلوغت لڑکوں کے مسائل کو چھیڑا ہے اور ان پر تفصیل سے لکھا ہے۔ گویا بنیادی طور پر یہ کتاب لڑکوں کی جنسی تعلیم (Sex Education) کے لیے لکھی گئی ہے۔ قریب البلوغت لڑکوں کو نشو و نما کے ساتھ ساتھ حیات و کائنات کے دیگر مظاہرات اور اپنی تخلیق و جسمانی ساخت کے متعلق جو جستجو ہوتی ہے اسے ہماری معاشرت میں نہ صرف نظر انداز کیا جاتا ہے بلکہ ان کے متعلق استفسار کرنے پر انھیں لعن طعن بھی کی جاتی ہے، حالانکہ یہ عمر بے انتہا متجسسانہ خیالات کی ہوتی ہے۔ جب ہم انھیں مطمئن نہیں کرتے تو وہ دیگر ذرائع سے اپنا اطمینان چاہتے ہیں، جس کے نتیجے میں انھیں ناقص علم اور گمراھی حاصل ہوتی ہے۔ بشیرالدین نے لڑکوں کی اسی ضرورت کو مد نظر رکھا ہے۔ اس امر کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہم نے اس بات کا لحاظ رکھا ہے کہ اس کتاب میں وھی باتیں لکھی جائیں جن کی کم عمر لڑکوں کے لیے ضرورت ہے، کیونکہ کم عمر لڑکوں کو ابھی سے وہ باتیں بتلانا جو ان کی عمر کے لحاظ سے غیر ضروری ہیں اور جو بڑے آدمیوں کے مناسب حال ہیں، بالکل قبل از وقت اور فضول بات ہے۔" (ص: ۱۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حرز طفلاں میں لڑکوں کے لیے بیش بہا نصائح کے علاوہ اخلاقی تعلیم کا قابل قدر ذخیرہ بھی ہے۔ نیز اس میں افعال قبیحہ اور عادات ذمیمہ کے مضر نتائج اور ان سے بچنے کی تدابیر بھی بیان کی گئی ہیں۔ بشیرالدین نے حرز طفلاں کا صرف مرکزی خیال ہی ڈاکٹر اسٹال کی کتاب سے اخذ کیا ہے، انھوں نے اس میں اتنی ترامیم اور اضافے کیے ہیں کہ اصل کتاب اور ترجمے میں بہت کم تعلق باقی رہ گیا ہے۔ ترامیم اور اضافوں کے بارے میں یہ لکھتے ہیں: پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں اس انگریزی کتاب کا ترجمہ کروں۔ بعد میں میں نے دیکھا تو ہمارے طرز تمدن اور سوسائٹی کی مناسبت کے لحاظ سے بہت کچھ تغیر و تبدل ضرور تھا، لہذا میں نے اس کتاب کو اپنے طرز پر ڈھال لیا ہے، جابجا کانٹ چھانٹ کی ہے، کہیں کہیں اپنی طرف سے مضامین بڑھائے بھی ہیں۔" (ص: ۱۱) ڈاکٹر اسٹال نے اپنی کتاب میں جابجا بائبل کے حوالے دیتے تھے بشیرالدین نے ان مقامات پر متعلقہ قرآنی آیات اور احادیث کے اقتباسات درج کیے ہیں۔

اس وقت کی معاشرتی حالت اس طرح کے نئے مضامین کو قبول کرنے کی صلاحیت سے عاری تھی، لہذا اس کتاب کی مخالفت کی گئی اور اسے مانع اخلاق سمجھا گیا۔ اس ضمن میں بشیرالدین نے ایک واقعہ لکھا ہے: مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مولوی شبلی نعمانی مرحوم و مغفور جیسے علامۂ دہر اور عالم باعمل کو جب میں نے یہ کتاب دکھلائی تو انھوں نے بھی باین ہم تبحر اس کتاب کو نظر استکراہ سے دیکھا اور ناک بھوں چڑھائی اور مجھ کو صلاح دی کہ اگر اس کتاب میں سے توالد و تناسل کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلق باب نکال دیے جائیں تو وہ الندوہ کے رسالے میں اس کا ریویو کر دیں گے۔ میں اپنا سا منہ لے کر رہ گیا کہ اگر میں وہ باب نکال دوں جو میری کتاب کے روح و رواں ہیں اور جن پر کتاب کا دار و مدار ہے، تو اس میں سوائے جسدِ بے روح اور قالبِ تہی کے رہ کیا خاک جائے گا"۔ (ص: ۱۶) بشیرالدین نے اس کتاب میں کوئی ترمیم نہ کی۔ اس کی دوسری اور تیسری اشاعتیں اس امر کی گواہ ہیں کہ اس کتاب کی کس قدر ضرورت تھی اور اسے کس طرح قبولیت عام کا شرف حاصل ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ اپنے موضوع پر اردو میں پہلی کتاب تھی۔ یہ کتاب اس معاشرے کی بدلتی ہوئی قدروں، مترجم کی روشن خیالی اور سماجی ضروریات کے احساس کی بھی مظہر ہے۔

دوسرے ایڈیشن کی طباعت کے موقع پر پروفیسر الیاس برنی نے حرز طفلاں میں کچھ لفظی ترامیم کیں اور انھی کے مشورے سے قرآنی آیات کے عربی متن کے بجائے ان کے ترجمے شائع کیے گئے۔ ایک اور تبدیلی یہ کی گئی کہ مشکل الفاظ کے معانی حواشی میں بیان کیے گئے ہیں۔ حرز طفلاں کا تیسرا ایڈیشن، دوسرے ایڈیشن کے مطابق شائع ہوا۔ تیسرے ایڈیشن میں مولوی نذیر احمد اور مولوی سید احمد دہلوی کی تقاریظ، مولوی عزیز مرزا، مخبرِ دکن، علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، پیسہ اخبار اور العصر کے تبصرے اور لطیف احمد، کمال الدین سید عبدالخالق اور محمد وزیر فکر کے قطعات تاریخ بھی شامل ہیں۔

۳۔ تاریخ بیجا نگر:

اس کتاب کا پورا نام "تاریخ بیجا نگر المعروف بہ ہمپی کے کھنڈرات" ہے۔ یہ بیجا نگر کی تاریخ ہے۔ بشیرالدین نے بحیثیت تعلقدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوم اپنے قیام رائچور کے دوران یہ کتاب لکھنا شروع کی اور یہ تاریخ ۲۹ دسمبر ۱۹۱۰ع کو مکمل ہوئی۔ تاریخ بیجا نگر پہلی مرتبہ شمسی مشین پریس، دھلی سے ۱۹۱۱ع میں ۴۳۳ صفحات پر شائع ہوئی۔ آخر میں چار صفحات پر مشتمل غلط نامہ لگایا گیا ہے۔

تاریخ بیجانگر میں ۱۳۳۶ع سے ۱۶۲۰ع تک یعنی تقریباً تین سو سال کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب سترہ ابواب، چودہ ضمائم (جن میں دس ضمیمے مختلف خاندانوں کے شجرے اور مدت ہائے حکومت کی تفاصیل پر مبنی ہیں) تین نقشے اور مختلف عمارتوں کی تیرہ تصاویر پر مشتمل ہے۔ "رہنمائے بیجاپور" کے عنوان سے سی۔ایچ۔ کوڈ کی تحریر کردہ ایک مختصر گائڈ برائے سیاحان کا ترجمہ کر کے، اصل کتاب سے قبل شامل کردیا گیا ہے۔ متذکرہ گائڈ بیجانگر کی اہم عمارات، باغات، معابد، مساجد، درگاہوں؛ قبوں، قلعوں اور دیگر تاریخی آثار کے مختصر بیان پر مشتمل ہے۔

تاریخ بیجانگر کی وجہ تصنیف کے تحت بشیرالدین رقمطراز ہیں:
سال گذشتہ بہ تقریب دورہ، میرا جانا "آنا گندی" ہوا... اس وقت سے مجھے وہاں کے حالات دریافت کرنے کا شوق ہوا... مسٹر سیول کلکٹر بلبہاری کی کتاب (Forgotten Empire) ملی... کتاب ایسی لکھی ہے کہ باید و شاید۔ اس کتاب کا نام بھولی بسری سلطنت رکھا ہے اور کیا خوب رکھا ہے، مگر یہاں کے راجہ کو ناگوار ہوا اور اس نے، اس کے جواب میں سورج نارائن سے Never to be Forgotten Empire لکھوائی... ان دونوں کتابوں کا ماخذ تاریخ فرشتہ، برہان مآثر، نیونز، پنہر، ہیرس اور عبدالرزاق وغیرہ کے وقائع ہیں جنہوں نے بیجانگر میں رہ کر حالات دیکھے ہیں...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علاوہ اس کے جابجا کندوں، تانبے کے پتروں کے کتبوں، متفرق کاغذات احکام و فرامین و اسناد نے بہت کچھ روشنی ڈالی ہے . . میں نے ان کتابوں کو بغور پڑھا اور ان کو مقامی حالات سے ملایا، خود بھی بہت پوچھ گچھ کی ہے۔ ان مقامات کو دیکھا ہے، پجاریوں، پروہتوں اور شاستریوں سے حالات دریافت کیے ہیں۔ بیجاپور کا تعلق زیادہ تر گولکنڈہ، احمدنگر، گلبرگہ، بیجاپور، بیدر، ادھونی، بلگاوں، رائچور، مدگل اور گوا سے زیادہ رہا ہے۔ ان میں سے بیدر، گلبرگہ، رائچور اور مدگل پر تو میں بہ تعلق ملازمت سالہا سال رہا ہوں اور اب بھی ضلع رائچور میں ہوں، جس میں ممستان آنا گندی واقع ہے... باقی سب مقامات کو خود جاکر دیکھا اور چونکہ طبیعت کا میلان ہمیشہ سے تاریخی واقعات کے معلوم کرنے کی طرف رہا ہے، کچھ کچھ نوٹ وقتاً فوقتاً قلم بند کرتا رہا۔ مواد میرے پاس بہت کچھ تھا اور دوسرے مقامات کے متعلق اب بھی ہے... دن کا آرام اور رات کی نیند گنوا کر یہ ٹوٹی پھوٹی کتاب ناظرین کی خدمت میں پیش ہے" (ص: ۳،۴،۵) تاریخی واقعات کی تحقیق اور بیان کے علاوہ اس کتاب کی تین قابل ذکر خصوصیات ہیں:

(الف) اہم مقامات کی قلمی تصویریں اور نقشے مختلف فنکاروں سے تیار کراکے اس میں شامل کیے ہیں۔

(ب) انھوں نے بیجانگر کی لاتعداد قدیم عمارتوں پر ثبت کتبے پڑھ کر انھیں کتاب میں شامل کیا ہے، جس سے نہ صرف بہت سے کتبوں کے متون محفوظ ہوگئے ہیں بلکہ کتاب کی ثقاہت میں بھی بیش بہا اضافہ ہوا ہے۔

(ج) بہت سے حواشی لکھ کر تشنہ مقامات کی وضاحت کی گئی ہے۔ حواشی مکمل، جامع اور اہم نکات کی بخوبی تشریح کرتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تاریخ پر متعدد اہم کتب کی تالیف کے باوجود بشیرالدین مورخین کی صف اول میں اس لیے جگہ نہ پاسکے کہ وہ واقعات کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا وہ ان کے چشم دید ہوں۔ واقعات کے بیان میں وہ اس قدر محو ہوجاتے ہیں کہ ایک موضوع سے دوسرے موضوع میں جا پڑتے ہیں اور انہیں اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ طول کلامی، جذباتی فقرات، اخلاقی نکات کا جا بجا بیان اور سب سے بڑھ کر تاریخی واقعات میں جذباتیت اور افسانوی رنگ کی آمیزش سے انھوں نے معیار اور ثقاہت کو مجروح کیا ہے۔ بشیرالدین تاریخی واقعات کے بیان کے درمیان شاعرانہ اطوار اور داستان گویوں کا سا انداز اختیار کرلیتے ہیں۔ تاریخ بیجا نگر کے پانچویں باب میں ایک جگہ لکھتے ہیں: ”شہر مدگل میں ایک غریب سنار تھا؛ جس کی ایک لڑکی مسماۃ پرتھال ایسی حسین تھی کہ اللہ تعالیٰ نے گویا اسے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا اور خلاق عالم نے اس میں کوٹ کوٹ کر حسن بھر دیا تھا اور اس کو اپنی قدرت کاملہ کا ایک پورا نمونہ بنایا تھا۔

لب لعلش نگین خاتم جم — دہاں از حلقہ انگشتری کم
ز رنگ عارضش روے ہوا لعل — خم زلفش در آتش کردہ صد نعل

راجہ نے فوراً برہمن کو بلا بھیجا اور بے تاب ہو کر حال اس پری جمال کا پوچھا۔ برہمن نے تاہم امکان جو دیکھا تھا، بیان کیا۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ جو دیکھا تھا اس کا عشر عشیر بھی زبان سے نہ نکلا ہوگا۔ کیونکہ زبان میں وہ طاقت کہاں کہ اس کا نقشہ من و عن بیان کر سکے، جتنا کہتا، تھوڑا تھا۔ راجہ سنتے ہی فریفتہ ہوگیا اور عشق کا کاری خنجر اس کے سینے میں گڑ گیا“ (ص: ۹۸، ۹۷) تاریخ میں نہ تو شاعری کا عمل دخل ہونا چاہیے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور نہ یہ داستان آرائی کی متحمل ہو سکتی ہے۔ واقعات کے بیان میں سیدھا سادھا اسلوب اختیار کرنا چاہیے، اس طرح کا داستانوی انداز اس کی ثقاہت کو مجروح کر دیتا ہے۔ بشیرالدین کو روانیٔ تحریر میں اس بات کا قطعاً احساس نہیں رہتا کہ انھیں صرف نفس معاملہ سے سروکار ہے، وہ بیچ بیچ میں اپنے جذبات و تاثرات کے اظہار کا بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

بشیرالدین کے یہاں طول کلامی کی روایت بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ بات کو چٹخارے لے لے کر بیان کرنے میں انھیں بڑا مزہ آتا ہے۔ درج ذیل مثال سے یہ بات بخوبی اجاگر ہوتی ہے: "برھمن کو منہ مانگی مراد ملی، آئندہ کی توقعات پر پھول گیا، دل میں کہنے لگا کہ ادنیٰ سنارنی، راجہ کا نام سنتے ہی لٹو ہو جائے گی۔ ایسے اس کے نصیب کہاں؟ کہ راجہ کے گھر آئے اور رانی کہلائے؟ اس کو تو چار چاند لگ جائیں گے! غرض ہوا کے گھوڑے پر سوار ہوکر مدگل پہنچا"۔ (ص: ۹۸) اس طویل عبارت کے مفہوم کو ایک جامع اور مختصر جملے میں بخوبی ادا کیا جا سکتا تھا۔

اس طرح کے اسقام و عیوب سے قطع نظر، تاریخ بیجا نگر اپنے موضوع پر عمدہ اور جامع کتاب ہے۔

۴۔ نشاط عمر:

بشیرالدین نے یہ کتاب اپنے قیام لنگسگور کے دوران، مئی ۱۹۱۱ء میں ترجمہ کی۔ نشاط عمر پہلی مرتبہ مطبع شمسی آگرہ سے ۱۹۱۱ء میں ۳۰۷ صفحات پر طبع ہوئی۔ یہ کتاب حرزِ طفلاں کا دوسرا حصہ ہے۔ نشاط عمر ڈاکٹر اسمائل کی کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

What a young man ought to know کے مرکزی خیال پر مشتمل ہے۔ انھوں نے انگریزی کتاب سے صرف جدید معلومات اخذ کی ہیں اور حسب سابق اپنے ترجمے میں انھوں نے اتنی ترامیم اور اتنے اضافے کیے ہیں کہ اصل کتاب سے کچھ تعلق باقی نہیں رہا۔ یہ کتاب طب اور اخلاقیات کا مجموعہ ہے۔ اس میں نوجوانوں کے امراض (بالخصوص جنسی)، ان کی وجوہات اور ان کا فطری علاج بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کا غالب حصہ نوجوانوں کے جنسی امراض کے بیان کا احاطہ کرتا ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے بلوغت، اس کے بعد کی تبدیلیوں، جنسی جذبات کی ضرورت اور ان کے منفی و مثبت استعمال کو بڑی عمدگی اور شائستگی کے ساتھ بیان کیا ہے۔ جنسی مسائل کی تعلیم (Sex Education) کے باب میں بشیرالدین کا نقطۂ نظر بہت واضح، مثبت اور ترقی پسندانہ ہے۔ کوئی چیز بھی ہوا نہیں ہوتی، صرف کم علم لوگ اور جامد معاشرتی روایات انھیں منفی رنگ دے دیتی ہیں۔ نشاط عمر میں بلاشبہ انھوں نے معاشرے کی بہت اہم ضرورت کو سمجھا اور اسے بطریق احسن پورا کیا ہے۔

۵۔ خالق باری:

یہ کتاب قیام حیدرآباد کے دوران ۱۷ اپریل ۱۹۱۲ء کو مکمل ہوئی اور پہلی مرتبہ مطبع نظام سلور جوبلی پریس، حیدرآباد دکن میں ۱۳۳۰ھ میں ٹائپ میں ایک سو صفحات پر شایع ہوئی۔ اس کتاب کا مقصد بچوں کو انگریزی زبان سکھانا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے بشیرالدین نے امیر خسرو کی کتاب خالق باری کی طرز پر اردو انگریزی کی ایک فرہنگ، خالق باری کے عنوان سے مرتب کی۔ اس سے قبل بھی اس نوعیت کے متعدد کام سامنے آچکے تھے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محمد ابراہیم، مدرس، حیدرآباد دکن کی کتاب محبوب الصبیان کے عنوان سے ۱۸۹۰ء میں، ماسٹر قاضی محمد جلال الدین مراد آبادی کی کتاب اینگلو اردو خالق باری ۱۹۰۱ء میں اور حاجی مولوی محمد اسماعیل خاں کی کتاب ۱۹۱۱ء میں طبع ہو چکی تھی۔ آخرالذکر کتاب میں انگریزی، اردو، ترکی، عربی اور فارسی کے ہم معنی الفاظ یکجا کیے گئے تھے۔ بشیرالدین نے انگریزی کی تعلیم کو سہل بنانے کی غرض سے ۱۳۳۹، ایسے الفاظ منتخب کیے جو عام طور پر بولے، سمجھے اور کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک جدت یہ بھی کی کہ یاد داشت کے امتحان کی غرض سے کتاب کے آخر میں انگریزی الفاظ کی ایک فرہنگ مع معنی درج کردی۔ راقم کو خالق باری کی کسی اور اشاعت کی بابت علم نہ ہوسکا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرنگی اقتدار کی وسعت پذیری نے عوام کو اس نوعیت کی ابتدائی کتب کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا تھا اور وہ انگریزی زبان کی تحصیل براہ راست کرنا چاہتے تھے۔

۲۔ حسن معاشرت:

بشیرالدین نے یہ کتاب قیام عثمان آباد (دکن) کے دوران تصنیف کی۔ انھوں نے اسے ۳ نومبر ۱۹۱۲ء کو لکھنا شروع کیا اور صرف بیس دن میں یعنی ۲۳ نومبر کو مکمل کرلیا۔ حسن معاشرت پہلی مرتبہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی سے ۱۹۱۲ء میں شائع ہوئی۔ کتاب شائع ہوتے ہی مقبول ہوئی اور جلد ہی اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا۔ اس صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے بشیرالدین لکھتے ہیں: جوں ہی کتاب نکلی، چوطرف پھیل گئی۔ عورتیں دیکھ کر ریجھ گئیں، تابڑ توڑ مانگ شروع ہوگئی۔ ... غرض تین چار مہینے میں کتاب چٹنی ہوگئی اور ایک کتاب گھس لگنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو باقی نہ رہی۔" (ص: ۱۱) دوسرے ایڈیشن کی ضرورت مدنظر رکھتے ہوئے انھوں نے حسن معاشرت میں کچھ تبدیلیاں کیں۔ ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "جھٹ پٹ کتاب کی نظرثانی کی اور چھپنے کو بھیج دی ... پہلا ایڈیشن مضمون کے اعتبار سے جیسا کچھ تھا، ناظرین نے خود دیکھ لیا، مگر اس قدر گنجلک چھپا تھا کہ عورتیں تو عورتیں، مرد بھی بہ تکلف پڑھتے ... اس پر کاتب نے وہ غلطیوں کی بھرمار کی کہ الٰہی توبہ ... موٹی موٹی غلطیاں درست کردیں ... ایک جدت بہ فرمائش یہ بھی کی گئی کہ الفاظ غیر مانوس اور محاورات کی تشریح فٹ نوٹ میں کردی گئی" (ص: ۱۲) چونکہ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ہمیں دستیاب نہ ہو سکا۔ لہذا فی الحال یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ طبع دوم میں مضامین کے لحاظ سے کیا کیا تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ حسن معاشرت کا دوسرا ایڈیشن دلی پرنٹنگ ورکس، دھلی سے ۱۹۱۳ء میں ۲۱۲ صفحات پر طبع ہوا۔

بشیرالدین نے اس کتاب کا انتساب اپنی اہلیہ سید زمانی بیگم سے کیا ہے۔ انھوں نے اس بات کی وضاحت بھی کردی ہے کہ یہ کتاب سید زمانی بیگم کی یاد ھی میں لکھی گئی ہے۔

حسن معاشرت میں عورتوں کو معاشرتی آداب کی تعلیم دی گئی ہے اور تفصیل سے یہ بتایا گیا ہے کہ عورتوں کو پیدائش سے لے کر جوانی تک، کس قسم کی تربیت دی جانی چاہیے۔ شادی کے بعد انھیں کس نوعیت کے مسائل درپیش ہوتے ہیں اور ان مسائل کو کس طرح حل کرنا چاہیے۔ اس کتاب کو دو حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا حصہ ایک قصے پر مشتمل ہے۔ "حصہ دوم تو میری آپ بیتی اور بیشتر میری زوجہ مرحومہ کے من و عن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالات ہیں کہ بہت تھوڑے تغیر و تبدل کے ساتھ لکھے گئے ہیں، جن کا لکھنا کچھ مشکل بھی نہ تھا کہ میری لوح دل پر لکھے ہوئے ہیں" (ص : ۴)۔

اس کتاب میں کہ جسے اصلاحی ناول کے طور پر پیش کیا گیا ہے، بشیرالدین نے ایک کردار (ہیرو) فرخندہ جمال کے نام سے تخلیق کیا ہے اور ساری کہانی کا تانا بانا اسی کے گرد بنتا ہے۔ کتاب کے مطالعے کے بعد مصنف میں کردار نگاری کی صلاحیتوں کے فقدان کا احساس ہوتا ہے۔ ان کے کردار، بے جان اور زندگی کی حرارت سے محروم نظر آتے ہیں۔ گو کہ ان کے والد (نذیر احمد) نے بھی اصلاحی ناول ہی لکھے ہیں، لیکن اُن کی ناول نگاری میں واقعات کا تسلسل، کہانی، کردار غرضکہ تمام لوازمات اپنی جگہ خاصی مکمل صورت میں ملتے ہیں، جبکہ بشیرالدین کے یہاں ان فنی لوازم کا عام طور پر فقدان نظر آتا ہے۔ دیگر چیزوں سے قطع نظر صرف ہیرو کے نام پر ہی غور کیجیے، فرخندہ جمال! اگر وضاحت نہ کی جائے تو ذہن فوراً کسی دوشیزہ کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اگر ناول کے ہیرو کا نام ہی اس قدر نسوانی ہو تو اس کی بقیہ مردانہ صفات پر فاتحہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس ناول میں ایک اور خامی یہ ہے کہ وہ کہانی کے درمیان تبصرہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تبصرہ کبھی پند و نصائح پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی پند و موعظت کے دائرے سے نکل کر وعظ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ کہانی کے درمیان اس نوعیت کے ناصحانہ اور بے موقع مواعظ اکثر و بیشتر دس دس صفحات تک کی ضخامت پر محیط ہوتے ہیں۔ اس طرح کی طویل، ناصحانہ تقاریر سے نہ صرف کہانی کی بنت اور خوبصورتی ہی متاثر ہوتی ہے بلکہ اکثر صورتوں میں تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہانی اپنی ڈگر، مقصدیت اور اثر پذیری کی صلاحیت ھی کھو بیٹھتی ھے۔

بشیرالدین کے ناولوں کی ایک منفی خصوصیت طول کلام ھے۔ وہ طب و یابس کو نفس مضمون سے علیحدہ کرنے کی صلاحیت سے عاری نظر آتے ھیں۔ گو کہ تمام مصنفین کو اپنی ھر تحریر عزیز ھوتی ھے، لیکن کسی بھی لکھنے والے کی تخلیقات فنی معیار پر اسی وقت پورا اترتی ھیں جبکہ ان پر ناقدانہ نگاہ ڈال کر ضروری اور غیر ضروری کے مابین امتیاز کرتے ھوئے صرف وھی چیزیں باقی رکھی جائیں کہ جن سے مواد، اسلوب، مضمون اور تاثیر میں اضافہ ممکن ھو اور بقیہ چیزوں کو حذف کر دیا جائے ؛ لیکن متعدد مقامات پر یہ محسوس ھوتا ھے کہ بشیرالدین نے شعوری طور پر ایسی کوشش سے اعتنا نہیں کیا۔ دراصل ناول نگاری ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی تھی ؛ اگر وہ پند و نصائح کے مجموعوں کو "اصلاحی ناول" کا نام نہ دیتے تو بھی ان کی فنی اور موضوعاتی حیثیت میں چنداں فرق نہ پڑتا کیونکہ مطالب و مندرجات کے لحاظ سے اس طرح کی تحریروں کو اس عہد میں خاصی پذیرائی حاصل ھوئی۔ متعدد لوگوں نے حسن معاشرت پر تبصرے کیے اور خوب خوب سراھا۔ علامہ راشدالخیری نے اس پر تبصرہ کرتے ھوئے لکھا کہ : اگر ھمیں یہ نہ بتایا جاتا کہ یہ کتاب مولوی بشیرالدین احمد نے لکھی ھے تو ھم بلا تکلف کہہ دیتے کہ حسن معاشرت مولوی نذیر احمد کی کتاب ھے"۔

حسن معاشرت کا دوسرا حصہ بشیرالدین کی سوانح کا اھم ماخذ ھے کیونکہ اس میں انھوں نے اپنی دوسری شادی سے لے کر زوجہ ثانی کی وفات تک کے حالات تفصیل سے لکھے ھیں۔ اس ضمن میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بچوں کی پیدائش، ان کی تعلیم و تربیت، اپنی ملازمت اور ترقی وغیرہ جیسے معاملات کا ذکر بھی ضمناً کیا ہے۔

۷۔ عصائے پیری:

بشیرالدین نے یہ کتاب رائچور میں بطور اول تعلقدار، تعہناتی کے دوران ۲۷ جون ۱۹۱۳ء کو مکمل کی۔ عصائے پیری پہلی مرتبہ مطبع شمسی، آگرے سے ۱۹۱۴ء میں ۲۰۷ صفحات پر شائع ہوئی۔ انھوں نے یہ کتاب اپنے والد مولوی نذیر احمد سے منسوب کی ہے۔ نشاط عمر (مطبوعہ ۱۹۱۱ء) کی پشت پر عصائے پیری کا اشتہار شائع ہوا تھا جس کے مطابق یہ کتاب ۱۹۱۱ء میں زیر ترجمہ تھی۔ اس کی تکمیل میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی، اس کی وجوہات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: عرصے سے خیال تھا کہ یہ فریضہ جس کا میں ۱۹۱۱ء میں وعدہ کر چکا ہوں، کسی نہ کسی طرح پورا ہوجائے گا، مگر مکروہات زمانہ بلا کی طرح چمٹ گئے، باپ مرے، بیوی مری، بچہ مرا، ایسی حالت میں تصنیف و تالیف کا دماغ کب رہ سکتا ہے" (ص: ٦) عصائے پیری کا مرکزی خیال ڈاکٹر اسٹال کی کتاب "What a man of fortyfive age ought to know" سے ماخوذ ہے۔ اس کتاب میں پینتالیس سال کے، اریب قریب عمر کے جسمانی، دماغی اور جنسی صحت کے مختلف امور سے بحث کی گئی ہے۔ بشیرالدین اس سے قبل بچوں اور نوجوانوں کے جسمانی امور، نشو و نما اور طبی تعلیم پر ڈاکٹر اسٹال کی دو کتابوں کے ترجمے پیش کر چکے تھے۔ عصائے پیری میں ادھیڑ عمر کے لوگوں کے جسمانی مسائل کے موضوع کے تحت لکھتے ہیں: چونکہ امر فطرت ہے کہ جس طرح خواتون میں ایک مخصوص عمر میں سن یاس شروع ہوجاتا ہے، اسی طرح مردوں میں بھی جنسی انحطاط کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آغاز ہوجاتا ہے۔ عقلمند اور دانا لوگ اس عمر میں آنے کے بعد ایسی جسمانی ورزشیں اور طبی و طبعی احتیاطیں شروع کر دیتے ہیں کہ جن کے تسلسل سے وہ اپنی خوشگوار اور چاق و چوبند زندگی میں اضافہ کر سکیں۔ ہمارے دماغوں میں تو یہی سمائی ہوئی ہے کہ عورت بیسی گھیسی اور مرد ساٹھا پاٹھا، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ جس طرح عورتوں میں وسط عمر میں تغیر عظیم واقع ہوتا ہے اسی طرح مردوں میں بھی انحطاط قویٰ شروع ہوجاتا ہے۔ اگر مرد بھی ان تغیرات قوائے جسمانی کو پیش نظر رکھیں تو عورتوں سے جو ادھیڑ عمر پر پہنچ گئی ہوں بجائے ہمدردی رکھنے کے، بے رخی نہ کریں۔ مردوں کے قویٰ میں جو تغیرات ہم نے بتلائے ہیں کہ ۴۵ یا ۵۰ سال کی عمر میں نمایاں ہوجاتے ہیں، وہ ایک عام حالت ہے اور ہمارے مخاطب ایسے ہی لوگ ہیں۔ ان اوراق میں وہ حالات لکھے گئے ہیں جو سن و عن ہر شخص کو پیش آتے ہیں"۔ (ص: ۱۲) اس کے علاوہ انھوں نے دیگر معاشرتی مسائل مثلاً شادی کی صحیح عمر، بیوی کا انتخاب، شادی کا مقدس فریضہ، مرد و عورت کے تعلقات اور امراض خبیثہ جیسے موضوعات پر بھی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔

بشیرالدین نے اس کتاب کے ترجمے میں جو خصوصیات روا رکھی ہیں، ان کی وضاحت اس طرح کی ہے، چونکہ ہمارے اور ان کے طرز معاشرت میں زمین و آسمان کا خوف ہے، ان وجوہ سے میں نے ڈاکٹر اسٹال کے ڈھانچ کو اپنے سانچے ڈھال لیا۔ مضمون تو ضرور ڈاکٹر اسٹال سے لیا گیا مگر طرز عبارت، ادائے مطالب میں بڑا بھاری فرق ہے۔ اس کے علاوہ کانٹ چھانٹ اس قدر کی گئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ میری کتابیں ترجمہ نہیں کہی جا سکتیں بلکہ جداگانہ کتابیں ہیں"۔ (ص : ۵)

حرز طفلاں اور نشاط عمر کے ساتھ یہ کتاب بھی اپنے مقاصد کو بخوبی پورا کرتی ہے۔

۸۔ واقعات مملکت بیجاپور:

بشیرالدین نے یہ کتاب بیجاپور میں اپنی بحیثیت تعلقدار اول، تعیناتی کے دوران تالیف کی۔ یہ کتاب اگست ۱۹۱۴ء میں مکمل ہوئی اور مطبع مفید عام، آگرہ سے ۱۹۱۵ء میں تین جلدوں میں شائع ہوئی۔

جلد اول : اس جلد میں بیجاپور کی تاریخ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ یہ جلد ۳۸۵ صفحات پر مشتمل ہے، جنھیں سات ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں تاریخی عمارات کی سات تصاویر اور آخر میں چار صفحات پر مشتمل غلط نامہ بھی شامل ہے۔

جلد دوم : یہ جلد بیجاپور شہر میں موجود تاریخی عمارات کی تفاصیل و توضیحات پر مشتمل ہے۔ اس کی ضخامت ۱۲۵ صفحات ہے۔ اس میں مختلف عمارات کے ۲۳ فوٹو بھی شامل ہیں۔

جلد سوم : اس جلد کی ضخامت ۷۶۱ صفات ہے جنھیں ۳۲ ضمائم میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں مختلف مقامات کے ۳۱ فوٹو بھی شامل ہیں۔ آخر میں مختلف اشخاص کے ۲۶ قطعات تاریخ، تقاریظ اور آٹھ صفحات پر مشتمل غلط نامہ بھی ہے۔ تیسری جلد کی وجہ تسمیہ کے تحت بشیرالدین لکھتے ہیں : حصہ اول کی تکمیل کے بعد ارادہ ہوا کہ تاریخ کے ساتھ ہی بیجاپور کی عمارات کا حال قلمبند ہونا کتاب کی تکمیل کے لیے لازم و ملزوم ہے، ورنہ کتاب ادھوری رہ جائے گی، چنانچہ حصہ دوم بھی مرتب ہو گیا۔ اس منزل پر یہ سوجھی کہ جو کچھ لکھا صرف ایک شہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیجاپور کا حال تھا، اگر اس پر اکتفا کیا جائے تو فی نفسہٖ خاندانِ شاہانِ عادل شاہیہ کی اولوالعزمی کو بٹّا لگانا ہے، لاؤ لگے ہاتھوں ان کے ہم عصر سلاطین اور راجگانِ ذی شان کے مختصر حالات بھی لکھو کہ جن سے دن رات ان کی مڈبھیڑ رہتی تھی۔ ان معرکۃ الآرا حالات کے ساتھ شاہان عادل شاہیہ کے وسیع مقبوضات کے حالات بھی لکھو جو دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ یہ آخری سلسلہ حصہ سوم میں مدون ہے" (جلد سوم، ص: ۶۹۵)

بشیرالدین بنیادی طور محنت کش انسان تھے، اور یہ چیز انھیں وراثۃً ملی تھی۔ ان کی تمام تاریخی تالیفات دیکھ جائیے ہر جگہ ان کے تفحص، تدقق اور سخت کوشی کا اندازہ ہوتا ہے۔ انھوں نے بیجاپور کے احوال و آثار سے آگاہی حاصل کرنے میں جو کاوشیں کیں ان کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: میں نے ۲۳ مارچ، ۱۹۱۰ء کو سر زمین بیجاپور پر قدم رکھا۔ اس اجڑے دیار کے چپے چپے کو نہایت غور اور نظر تعمق سے دیکھا۔ جتنے کتبات تھے ان کو لکھا، جو دقیق تھے ان کو حل کیا... جتنی مطبوعہ کتابیں تھیں وہ تو با آسانی مل گئیں مگر مشکل تھی تو قلمی بے بہا ذخیرے کی تھی، وہ بھی احباب کی توجہ سے دستیاب ہوگیا۔ میں نے نہ صرف بیجاپور دیکھا ہے بلکہ حسن اتفاق سے بہ تعلق ملازمت، برسوں ان تاریخی مقامات پر رہا ہوں اور دورے میں ہر ہر جگہ کو اچھی طرح دیکھا ہے اور ان مقامات میں سے، جن کا تذکرہ اس تاریخ میں آیا ہے، میرے چشم دید یہ ہیں (۹۲ مقامات)... (جلد اول، ص: ۱۸) — میں نے بہت سی تاریخ کی کتابیں دیکھ ڈالیں، مگر دیکھتا ہوں تو کسی کتاب میں کتبوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا پتا نہیں ہے، حالانکہ یہ ایک بہت ضروری امر تھا۔ کتبوں کا پڑھنا کچھ آسان کام نہیں ہے؛ کیونکہ خط ثلث اور طغریٰ کی پیچیدگیاں چکر میں ڈال دیتی ہیں . . . بہرحال میں نے بہت کوشش کی اور دنوں کی محنت سے ایک حد تک ان تمام کتبوں کو پڑھ لیا۔ میں نے تمامی کتبوں کو خود جا کر دیکھا، سیڑھیاں لگا کر اوپر چڑھا، چربے اتارے، کئی کئی دن تک ان کے حل میں مصروف رہا، جس کا نتیجہ یہ بیش بہا ذخیرہ ہے۔" (جلد اول، ص : ۲۰)

بشیرالدین نے کتاب کے آغاز میں اپنے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی ماآخذ کی مکمل فہرست درج کی ہے۔ اس فہرست میں متعدد ایسے قلمی نسخوں کا حوالہ بھی ملتا ہے جو ان کی دسترس میں تھے، لیکن افسوس ! کہ آج ان میں سے بیشتر قلمی نسخے نابود ہو گئے ہیں۔

سوائے چند جزوی خامیوں کے تاریخ مملکت بیجا پور ایک مبسوط اور عمدہ تالیف ہے۔ اس کتاب کی افادیت آج بھی مسلّم ہے۔

۹۔ اصلاح معیشت :

یہ کتاب ۱۹۱۷ء میں تصنیف ہوئی اور پہلی مرتبہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی سے ۱۹۱۸ء میں ۳۳۸ صفحات پر طبع ہوئی۔ اس کی دوسری اشاعت ۱۹۲۱ء میں دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے ۲۸۱ صفحات پر عمل میں آئی۔

بشیرالدین نے اصلاح معیشت کو بھی اصلاحی ناول قرار دیا ہے۔ اس کے موضوع اور غرض و غایت کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: مجھے جرأت ہوئی کہ یہ کتاب ایک اچھوتے مضمون پر لکھو اور وہ یہ ہے کہ "عورتیں ہی مردوں کو بگاڑنے اور سنوارنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والیاں ہوتی ہیں" - بادی النظر میں یہ ایک دعویٰ بے دلیل سا معلوم ہوتا ہے . . . ہم نے اس قصے میں ایک ہی گھر کی دو سگی بہنوں کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ ایک نے اپنے بگڑے ہوئے شوہر کو سدھا لیا، اور دوسری بنے بنائے شوہر کو کھو بیٹھی . . . اس کتاب کے حصہ دوم میں ایک پھوہڑ گھر والی کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اس میں مبالغہ ضرور ہے لیکن کتاب کی چاشنی کے لیے اگر ہم ایک بدتر سے بدتر بد سلیقہ عورت کو پیش نہ کرتے تو اور کیا کرتے - ہماری غرض اس کتاب کے لکھنے سے یہی ہے کہ بیاہی ہوئی عورتیں اس ہیبت ناک فوٹو سے متاثر ہوں اور جو ابھی دنیا میں ازدواجی زندگی شروع کرنے والیاں ہیں وہ ان باتوں سے جو دلوں میں تفرقہ ڈالتی ہیں اور بھلے چنگے شوہر کو دشمن بناتی ہیں، محترز رہیں (ص: ۱۰)

طبع ثانی کے دیباچے میں مصنف نے اس عہد کے سیاسی معاملات پر بھی تبصرہ کیا ہے، جس سے ان کے سیاسی نظریات کی بابت آگاہی ہوتی ہے۔ وہ تحریک ترک موالات کو بطور خاص ہدفِ تنقید بناتے ہوئے لکھتے ہیں: اواخر ۱۹۲۰ع میں نان کوآپریشن (ترک موالات) کی بلائے بے درماں نازل ہوئی جواب تک موجیں مار رہی ہے۔ اس کا دھاوا تعلیم پر ہے۔ بنے بنائے چلتے چلاتے مدرسے، کالج، تعلیم گاہیں ویران ہو گئیں۔ پبلک گورنمنٹ سے روٹھ گئی، سرکار مالی امداد سے دست کش ہو گئی، اور اپنے پاس پیسہ نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ سرمایۂ حیات کے سلب ہو جانے سے جاں بلب ہیں۔ ہزارہا قوم کے ہونہار، جن پر ہماری بہبودی کا دارومدار تھا، برباد ہو گئی۔ سرکاری مدارس چھوڑے، اور اپنے مدارس ندارد . . . مسلمان پہلے ہی تعلیم میں ہیٹے اور پھسڈی تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اب تو بالکل دست و پا شکستہ ہوگئے۔ جب تک خیالی نیشنل مدارس بنیں ان کا کام تمام ہو جائے گا" (ص : ۱۶)۔ اشاعت ثانی کے موقع پر اصلاح معیشت میں استعمال ہونے والے ۱۸۵۵ محاورات و ضرب الامثال کی فرہنگ بھی شامل کی گئی ہے۔ اس فرہنگ کا جواز بتاتے ہوئے لکھتے ہیں، یہ کتاب دلی کے شریف گھرانوں کی بامحاورہ زبان ہے، اس سبب سے بعض بعض لفظ اور خاص خاص محاورے ایسے آگئے ہیں جو غیر ملک کی عورتوں نے نہیں سنے اور لازمی طور پر ان کو فہم مطلب میں اک گونہ الجھن اور دقت ہوتی ہے اور وہ مفہوم اصلی سمجھنے سے قاصر رہتی ہیں۔ اس مشکل کا حل یہ فرہنگ ہے" (ص : ۲۰۹)

مولوی نذیراحمد کے اتباع میں بشیرالدین نے بھی عورتوں کی سماجی ضروریات، معاشرتی مسائل، تعلیم کا فقدان، ذہنی پستی، ہندوانہ رسوم کے اثرات، جاہلانہ طور طریقے، بر خود غلط روایات اور جدید تعلیم و شعور کی جانب سے بے رغبتی جیسے موضوعات پر توجہ دی اور اس عہد کے تمام معاشرتی پس منظر کا تجزیہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ معاشرہ صرف تعلیم یافتہ اور باشعور خواتین ہی سے تخلیق پاتا ہے۔ اگر کسی معاشرے میں خواتین تعلیم کے فیضان سے محروم ہوں تو ان میں نہ ذہنی وسعت، اخلاق، ایثار پیدا ہو سکتا ہے اور نہ وہ اپنے بچوں کی صحیح خطوط پر تربیت ہی کر سکتی ہیں۔ ان تمام معاملات کی بنیاد زن و شو کے باہمی خوشگوار مراسم پر ہے۔ اگر ان کے باہمی تعلقات ہی کشیدہ ہوں تو پہلے اس کے پس منظر اور اسباب و علل پر نظر کرنی چاہیے، اس کے بعد ہی ذہنی فراغ اور وسعت قلبی پیدا ہو سکتی ہے۔ انھوں نے اپنی متعدد کتب (اقبال دلہن، لخت جگر، فغان اشرف، بچیوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دو دو باتیں) میں جزواً یا کاملاً اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ وہ ایک صالح اور فعال معاشرے کی بنیاد، زن و شو کے خوشگوار تعلقات پر رکھنے کے قائل ہیں، ایسے تعلقات جن کی بنیاد علم کی روشنی، باہمی افہام و تفہیم، استدلال اور منطقیت پر قائم ہو! بشیرالدین نے مسلمان معاشرے کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار امورِ خانہ‌داری کی ناہمواریوں کو قرار دیا ہے۔

۱۰۔ بچیوں سے دو دو باتیں:

بشیرالدین نے ڈاکٹر میری وڈ ایلن کی انگریزی کتاب What a young girl ought to know کا ترجمہ بچیوں سے دو دو باتوں کے عنوان سے کیا ہے۔ اس کا ترجمہ ۱۹۱۷ء میں مکمل ہوا اور یہ کتاب پہلی مرتبہ شمسی مشین پریس آگرہ سے ۱۹۱۷ء میں شائع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن بھی مذکورہ پریس سے ہی ۱۹۲۳ء میں ۱۸۰ صفحات پر شائع ہوا۔ کتاب کو ۱۹ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ترجمے کی غرض سے اس کتاب کے انتخاب کی وجہ بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: یہ اپنے زمانے کی بہت مقبول کتاب تھی اور یورپ کی متعدد زبانوں مثلاً جرمن، سویڈش، فرنچ، ڈچ، اسپینش وغیرہ اور ایشیا کی متعدد زبانوں مثلاً فارسی، جاپانی، کوریئن، ہندی، تلنگی اور بنگالی میں اس کے تراجم ہو کر شہرت حاصل کر چکے تھے" (ص: ۲۴)۔ اس کتاب پر مترجم کی حیثیت سے ممتاز بشیر بیگم کا نام طبع ہوا ہے جو کہ بشیرالدین کی اہلیہ تھیں، لیکن در حقیقت یہ بشیرالدین ہی کی مترجمہ ہے۔ چونکہ کتاب کا موضوع قدرے نازک اور امورِ نسواں سے متعلق تھا، لہذا انہوں نے اس کے بیان میں تاثیر پیدا کرنے اور نسوانی معاملات کو بیان کرنے کے لیے اپنی اہلیہ کا نام بطور ڈھال استعمال کیا ہے، تاکہ کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مندرجات کی تشریحات میں انھیں قدرے آزادی حاصل رہے۔ درج ذیل بیان سے اصل مترجم کے بارے میں رائے قائم کرنے میں مزید آسانی ہوتی ہے: مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی شرم نہیں کہ اگر اس تصنیف میں میرے شوہر کی گہری امداد نہ ہوتی تو میں کبھی اس فریضے سے عہدہ برا نہ ہو سکتی۔ بات جو اصل تھی وہ بلا کم و کاست میں نے عرض کردی، اب ناظرین اسے چاہیں میری تصنیف سمجھیں یا میرے شوہر کی۔ بات ایک ہی ہے۔ آم کھانے سے غرض ہے پیڑ گننے سے نہیں" (ص: ۳۰) اس کتاب کا لب و لہجہ، لفظوں کی نشت و برخاست، محاوروں کا استعمال بھی واضح طور پر بشیرالدین ہی کے انداز بیان کا مظہر ہے۔ انھوں نے اس کتاب کی وجہ ترجمہ یہ بیان کی ہے: ہر ذہین لڑکی کی عمر میں ایک وہ زمانہ آتا ہے کہ جب وہ اسرار زندگی کے قسم قسم کے نئے مظاہر قدرت دیکھ کر ان کی نسبت پوچھ گچھ شروع کر دیتی ہے . . . ہم کہتے ہیں یہ قدرت کے سربستہ راز ہیں، لڑکیاں ان سے مطلع ہوں گی، پر ہوں گی، مگر کیا ہی بری طرح۔ ماماؤں، دداؤں، اناؤں، لونڈیوں، باندیوں، کمینی اور رذیل ہم جولیوں کی زبانی! ! ۔ وہ کہیں گی بے تکے پن سے اور سنائیں گی بے ڈھنگے طور سے۔ پس کیوں نہ شفیق مائیں اپنی پیاری بیٹیوں کو عمدہ طریقے پر آگاہ کریں"۔ (ص: ۱۷) کیونکہ: کتنی مائیں ہیں جنھوں نے اپنی لڑکیوں کو متاہلانہ زندگی کے لیے تیار کیا ہے، کتنی لڑکیاں ہیں جو اپنے شوہروں، ساس نندوں، بھاوجوں کے حقوق سے باخبر ہیں۔ کتنی لڑکیاں ہیں جو حمل اور اس کی نگہداشت کے طریقوں کو سمجھتی ہیں۔ کتنی لڑکیاں ہیں جو زچگی کی مشکلات اور زندگی اور موت کی درمیانی حالت سے باخبر ہیں۔ کتنی لڑکیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں جو بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم کا بار اٹھا سکتی ہیں۔ کتنی لڑکیاں ہیں جو حفظان صحت کے قواعد، بچوں کی رکھت، نہلانا دھلانا، لباس، دودھ پلانا، غذا پہنچانے کے طریقے اور دوائی ٹھنڈائی وغیرہ سے واقفیت رکھتی ہیں" (ص : ۱۹) لہذا ان اہم معاملات کی تفہیم و تعلیم کی غرض سے یہ کتاب تیار کی گئی اور بشیرالدین کے خیال کے مطابق: اس میں تاہم اسکان توالد و تناسل کی گتھی کو نہایت معقول اور مناسب طریقے پر سب باتوں کا لحاظ رکھ کر مذہبی چاشنی کے ساتھ بالکل صاف صاف سلجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں کوئی بات اخلاق باحیا کے درجے سے گری ہوئی نہیں ہے۔ جو باتیں بتلائی گئی ہیں، تبدریج اور اتنی ہی، جتنی کہ ایک دس برس کی لڑکی کو جاننا ضروری ہے" (ص : ۲۱) بشیرالدین نے کتاب کی وجہ ترجمہ کے تحت جن ضروریات کا بیان کیا ہے، ایسی معلومات بہشتی زیور اور اسی طرح کی کتابوں میں با آسانی مل جاتی ہیں، لیکن ان کتابوں میں اس طرح کی معلومات کسی طبی نقطۂ نگاہ سے نہیں بلکہ مذہبی احکام کی تشریحات کے ضمن میں بیان کی جاتی ہیں، جبکہ بشیرالدین کا نقطۂ نظر بنیادی طور پر طبی و معاشرتی ہے۔ وہ حفظان صحت اور زندگی کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ "امور نسواں" کے سلسلے کی متعدد تحریرں میں ان کا زاویۂ نظر طبی و معاشرتی ہی رہا ہے۔ ان کی تحریروں میں یہ موضوع Religion oriented ہونے کے بجائے Health oriented ہوتا ہے۔ وہ ان موضوعات کے بیان میں سائنٹفک طریقۂ کار اختیار کرتے ہیں۔

بشیرالدین کے ذہن میں زمانے کی بدلتی ہوئی قدروں کا احساس بھی تھا اور ضرورت کا بھی! وہ اس امر سے بھی بخوبی آگاہ ہو چکے تھے کہ مغرب کے جدید طبی انکشافات سے ہندوستان میں کس طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر اسمائل اور ڈاکٹر ایلن کی کتابوں کے ترجموں کی وجہ سے انھیں معاشرے کے ایک طبقے کی جانب سے شدید تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا، لیکن انھوں نے مقصدیت کو ہر چیز پر ترجیح دی اور زندگی کی مثبت قدروں، جدید معلومات اور نئے علمی انکشافات سے سماجی اصلاح کے لیے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ہم آج کے دور میں بھی ان کی متعدد تحریروں کی اہمیت و افادیت سے انحراف نہیں کر سکتے۔

۱۱۔ واقعات دارالحکومت دھلی:

حکومت آصفیہ کی ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد بشیرالدین نے خود کو مکمل طور پر تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیا۔ وہ جب تک حیدرآباد دکن میں رہے، وہاں کی تاریخ و آثار سے دلچسپی لے کر حق نمک ادا کرتے رہے۔ مستقل طور پر دھلی میں میں آنے کے بعد لامحالہ ان کی نگاہ انتخاب اسی شہر پر پڑی، لہذا اب انھوں نے دھلی کو اپنا موضوع تحقیق قرار دے کر ۱۹۱۷ع کے قریب اس پر کام شروع کیا اور دو سال کی محنت شاقہ کے بعد واقعات دارالحکومت دھلی کے عنوان سے ایک جامع کتاب مکمل کی۔ یہ کتاب شمسی مشین پریس آگرہ سے تین جلدوں میں طبع ہوئی جن کی تفصیل درج ذیل ہے: جلد اول: یہ جلد ۱۹۱۹ع میں طبع ہوئی۔ اس جلد میں دھلی کے بادشاھوں، امراء اور اھم شخصیات کے احوال بیان کیے گئے ھیں اور ان کے متعدد فوٹو بھی شامل کیے گئے ھیں۔ پہلی جلد ۱۰۳۰ صفحات پر مشتمل ھے جنھیں چھے ابواب میں تقسیم کیا گیا ھے۔ اس جلد میں جملہ ۶۳ تصاویر اور نقشہ جات ھیں۔ آغاز میں دس صفحات پر مشتمل فہرست موضوعات، دو صفحات میں فہرست تصاویر اور نقشہ جات، پندرہ صفحات پر مشتمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غلط نامہ ، سات صفحات میں دهلی کے سلاطین کی فہرست مع عمارات بنا کردہ : بقید سال تعمیر درج ہے۔ تین صفحات میں ہندو سلاطین اور ہم عصر سلاطین انگلینڈ کی فہرست درج کی گئی ہے۔ اس جلد کے آخر میں سائل دهلوی ، شیدا دهلوی ، اشتیاق دهلوی، اسحاق دهلوی اور حکیم لطیف احمد کے قطعات تاریخ شامل ہیں۔

جلد دوم : یہ جلد بھی ۱۹۱۹ء میں طبع ہوئی۔ اس جلد کی ضخامت ۸۲۶ صفحات ہے جنھیں تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب، دهلی اور اندرون شہر کی عمارات کے بیان میں ہے۔ دوسرے باب میں فصیل کے قرب و جوار اور بیرون شہر کی عمارات کی تفاصیل بیان کی گئی ہیں۔ تیسرا باب ، دائی دروازے سے درگاہ نظام الدین اولیاء ، مقبرہ ہمایوں اور دیگر عمارات گرد و پیش کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس جلد کے آغاز میں دس صفحات پر فہرست مضامین، دو صفحات میں فہرست نقشہ جات و تصاویر اور تیرہ صفحات پر مشتمل اغلاط نامہ ہے۔ ۲۶ صفحات میں فرمانروایان اندر پت و دهلی لغایت ۱۹۱۹ء کی فہرست ہے۔ ۱۳ صفحات میں دهلی کی عمارات کی کلید درج کی گئی ہے۔ اس کلید میں عمارتوں کی تقسیم، محلہ وار کی گئی ہے تاکہ انھیں تلاش کرنے میں دشواری نہ ہو۔ اس جلد میں صرف عمارتوں کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ تعمیر کرنے والے اور صاحب عمارت کے مختصر سوانح بھی درج کیے گئے ہیں۔ غالب کے مقبرے کے ضمن میں ان کے احوال کے ساتھ ساتھ ان کے متعدد لطائف بھی قلمبند کیے گئے ہیں۔

جلد سوم : واقعات دارالحکومت دهلی کی تیسری جلد ۱۹۲۰ء میں طبع ہوئی۔ یہ جلد ۵۲۷، صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد میں بھی دهلی کے آثار قدیم کی تفاصیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کی گئی ہیں۔ آغاز میں ۱۱ صفحات پر فہرست مضامین ہے۔ فہرست نقشہ جات و عمارات اور ۱۲ صفحات پر مشتمل غلط نامہ ہے۔ اس جلد میں تین ابواب، چار ضمائم اور ۳۷ نقشہ جات و تصاویر ہیں۔ تیسری جلد کے آخر میں بشیرالدین نے اس کتاب کے ماخذ بیان کیے ہیں، جس کے مطابق اردو و فارسی کی چوالیس اور انگریزی کی اڑتیس کتابوں کو بطور ماخذ استعمال کیا گیا ہے۔ اختتام میں متعدد شخصیات کے قطعات تاریخ و تقاریظ درج ہیں۔ جن میں خواجہ حسن نظامی، اکبرالہ آبادی اور ادیب میرٹھی قابل ذکر ہیں۔ بشیرالدین نے جب اس کتاب پر کام شروع کیا تو ان کا خیال تھا کہ یہ کتاب دو جلدوں میں مکمل ہوجائے گی۔ لہذا جلد دوم کے دیباچے میں رقمطراز ہیں: یہ کتاب دو حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا حصہ: اجمالی تاریخ ہندوستان کے بادشاہوں کی، اور دوسرے میں: آثار قدیمہ شہر دھلی کا مفصل بیان ہے" (جلد دوم ص : ۳۰) لیکن کام کے دوران ان کے پاس اس قدر مواد جمع ہوگیا کہ انھیں لکھنا پڑا: اب معلوم ہوا کہ دلی میں اس کثرت سے آثار قدیمہ کا وجود ہے کہ اگر اس کو لامتناہی کہوں تو بجا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں عمارات کا ذکر ہے، بڑھتے بڑھتے ایک طومار ہوگیا... چونکہ جلد دوم کی ضخامت خلاف توقع بہت بڑھ گئی اس لیے اس کے دو ٹکڑے کرنے پڑے اور اس طرح دو حصوں کے ادغام سے یہ تیسرا بچہ پیدا ہوا"۔ (جلد سوم، ص : ۲)

دھلی کے آثار پر اردو میں پہلی محققانہ کاوش سر سید کی کتاب آثار الصنادید ہے۔ ایسی جامع کتاب کی موجودگی میں بشیرالدین نے دھلی کے آثار پر ایک اور کتاب لکھنے کا فیصلہ کیوں کیا؟ اس کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: اس کتاب کی نسبت ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سر سید احمد خاں جیسا نامور شخص اس مضمون پر آثار الصنادید جیسی مستند اور مکمل کتاب لکھ چکا ہے تو کسی اور کا اس میدان میں قدم فرسائی کرنا تحصیل حاصل ہے ... اس موضوع پر آثار الصنادید سے بہتر تو کیا برابر کی کتاب بھی لکھنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے ؛ لیکن یہاں نہ برابری کا خیال ہے نہ برتری کا خبط ، لیکن باوجود اس کے میں نے اس قدر مبسوط کتاب لکھی پر لکھی ، آخر کیوں؟ میری کتاب واقعات مملکت بیجاپور جو ملک دکن کی بہت بڑی تاریخ تین جلدوں میں ہے، میری توقع سے زیادہ مقبول ہوئی اور حضور نظام، مرجان مارشل، لارڈ ہارڈنگ نے داد دی ... یہ کتاب دیکھ کر صوبہ دہلی کے چیف کمشنر ہیلی صاحب بہادر نے فرمایا، ہم چاہتے ہیں کہ جس نہج پر تونے تاریخ بیجاپور لکھی اسی اہتمام سے دلی کی بھی ایک تاریخ لکھ!... اور اس کے ساتھ ہی محکمہ آثار قدیمہ کے نام ایک چھٹی لکھ دی کہ مجھے جس قسم کا مواد درکار ہو یا مدد مطلوب ہو، دی جائے ... مختصر یہ کہ کتاب لکھنی شروع ہوئی۔ مخفی نہ رہے کہ سر سید کا پہلا ایڈیشن آثار الصنادید کا سنہ ۱۲۶۳ھ م ۱۸۴۷ع میں شائع ہوا، جسے آج پورے بہتر برس ہوئے۔ اس عرصے میں بہت کچھ تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ برٹش گورنمنٹ نے ایک محکمہ آثار قدیمہ کا قائم کیا جنھوں نے چپہ چپہ اور کونا کونا زمین کا کھوند مارا۔ اس محکمے کے حکام نے عمارتوں کو کھدوا کھدوا کر نکلوایا۔ نئے نئے کتبے نکلے، پرانے پرانے سکے ملے، فرامین دستیاب ہوئے، معلومات کے خزائن پر ہو گئے۔ سر سید نے جو لکھا اس زمانے میں انھی کی جستجو اور ٹٹول تھی جو اتنا بھی سینوں کے بند گنجینوں اور زبانوں سے قلم پر آگیا، لیکن روز بروز جو دریافت اور ایجاد میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترقی ہوتی چلی جا رہی ہے تو لامحالہ آثار الصنادید کے نقش اولین میں نمایاں کمی دکھلائی دے رہی ہے ... ناظرین خود دیکھ لیں گے کہ آثار الصنادید سے اس میں کس قدر زیادہ اور نیا مواد ہے اور اس پچھتر برس میں کیسی کیسی باتیں پردۂ خفا سے معرض ظہور میں آئی ہیں، بہرحال یہ کتاب اپ ٹوڈیٹ ہے" (جلد دوم، ص: ٦)

اس کتاب میں بشیرالدین نے غیر جانبدار مورخ کا رول ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی رہے ہیں۔ انھوں نے مختلف سلاطین کے عروج کی حکایات ہی بیان نہیں کی ہیں بلکہ ان کے زوال کے اسباب بھی بتائے ہیں۔ عموماً مسلمان مورخین اورنگ زیب عالمگیر پر قلم اٹھاتے وقت مصلحت پسندی جانبداری اور جذباتیت کا شکار ہو جاتے ہیں، لیکن بشیرالدین نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کا بے لاگ تجزیہ کیا، اس کی پالیسیوں کا جائزہ لیا اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیاں بھی اجاگر کی ہیں۔ اس طرح انھوں نے ہر بادشاہ کے پورے عہد کا مختصر جائزہ لے کر اس کی پالیسیوں کے اثرات کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ حسب معمول ان کی یہ کتاب بھی بادشاہوں کے حالات اور جنگوں کے واقعات پر مشتمل ہے۔ بشیرالدین کے نزدیک تہذیب، تمدن، ثقافت، فنون لطیفہ، علمی ترقیات، سماجی پس منظر اور معاشرتی زندگی کی اہمیت ثانوی ہے، اس لیے وہ ان چیزوں کی طرف کچھ توجہ نہیں دیتے۔ ان کی تمام تاریخی کتابیں اس لحاظ سے یک طرفہ ہیں۔

بسیار نویسی کی عادت نے ان تاریخی تالیفات کو واقعات کی کھتونی بنادیا ہے۔ وہ تاریخی روایات کے رد و قبول میں محققانہ بصیرت سے کم ہی کام لیتے ہیں۔ بیانات اور واقعات کی تنقیح و تجزیہ کے بغیر تاریخ نویسی ایک قدم آگے نہیں بڑھ سکتی۔ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیانات کو بے چون و چرا تسلیم کر کے صفحۂ قرطاس پر منتقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ صرف ماخذ تلاش کرتے ہیں، انھیں ماخذ کی صداقت اور پرکھ سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس چیز نے ان کے معیار کو مجروح کیا ہے۔

بشیرالدین دلی کے رہنے والے تھے اور ایسے باپ کے بیٹے تھے کہ جس نے محاورہ بندی کے شوق میں کیا کچھ نہ بھگتا، ان پر اپنے والد کا رنگ کچھ اور چوکھا تھا، لہذا انھوں نے خالصۃً تاریخ کی کتاب میں بھی دلی کی محاوراتی زبان کو بے محابا استعمال کیا ہے۔ درج ذیل بیان سے ہمارے دعوے کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے: اورنگ زیب جیسے بادشاہ کے سامنے سیواجی کی کوئی حقیقت نہ تھی، وہ چاہتا تو چٹکی بجاتے میں مسل کر دھر دیتا... سیواجی کی ڈوری اس لیے ڈھیلی چھوڑی تھی کہ وہ خود الجھ کر گرے گا... راجہ جے سنگھ نے آہن بہ آہن کوفتن، سیواجی کا بری طرح پیچھا لیا۔ ناچار ہوکر اس نے ڈگ ڈال دیئے... راجہ جے سنگھ نے سیواجی کو بہت اونچ نیچ سمجھائی اور خوب شیشے میں اتارا... وہ ایک مٹھائی کے ٹوکرے میں چھپ بیٹھ کر ایسے نکل گئے کہ سارے پہرے داروں کے چوتڑوں پر پیاز کاٹ گئے۔ اورنگ زیب بھی ہاتھ ملتے کا ملتا رہ گیا" (ص: ۵۴۰) ایک اور مختصر اقتباس ملاحظہ کیجیے: "مرہٹے سختیاں جھیلنے کے عادی تھے، ان کی ہڈی مری ہوئی تھی۔ کوئی بات بھی ان کو اکھرتی نہ تھی۔ مرہٹوں کی پھرتی اور خانہ بدوشی کی یہ حالت تھی کہ وہ بالکل اٹھاو چولھا تھی۔ نہ آگے ناتھ نہ پیچھے پگھا" (ص: ۵۷۳) ان دو مختصر اقتباسات میں خط کشیدہ مقامات سے محاوروں اور ضرب الامثال کی غیر معمولی اور غیر ضروری تعداد کا اندازہ ہوتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چند جزوی خامیوں سے قطع نظر، اس کتاب کو دیکھ کر بلا تامل کہا جا سکتا ہے کہ بشیرالدین نے تاریخی واقعات اور بالخصوص دہلی کے تاریخی آثار کی بازیافت میں کمال کی محنت کی ہے۔ انھوں نے تاریخی عمارتوں کی توضیحات کے ضمن میں جیسی اور جتنی معلومات بہم پہنچائی ہیں وہ بے حد قابل قدر ہیں۔ اردو، فارسی اور انگریزی میں دہلی کے تاریخی آثار پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اس کے باوجود واقعات دارالحکومت دہلی کی اہمیت اور افادیت، روز اول کی طرح برقرار ہے۔ یہ کتاب عرصے سے کمیاب تھی، اس کی ضرورت اور افادیت کے پیش نظر دہلی اردو اکیڈمی، دہلی نے ۱۹۹۰ء کے اوائل میں اس کا عکسی ایڈیشن شائع کر کے بڑی علمی خدمت انجام دی ہے۔

۱۳۔ عزم بالجزم:

یہ کہانی ۱۹۲۰ء میں ترجمہ ہوئی اور پہلی مرتبہ ۱۹۲۰ء میں طبع ہوئی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن دارلاشاعت پنجاب، لاہور سے ۱۹۲۱ء میں ۲۹ صفحات پر شائع ہوا۔

یہ مختصر کہانی انسانی عزم و ارادہ کی ایک قابل رشک داستان کے طور پر لکھی گئی تھی، جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسان کو تمام مصائب اور ہر قسم کی مشکلات میں ثابت قدم رہنا چاہیے۔ بشیرالدین نے یہ قصہ کسی انگریزی کتاب سے اخذ کیا ہے لیکن اپنی روایت کے برخلاف انھوں نے اصل انگریزی کتاب کا نام درج نہیں کیا ہے۔ ترجمے میں انھوں نے کہانی کے تمام کرداروں کو مشرف بہ اسلام کردیا ہے۔

اس کتاب میں انھوں نے اپنے اصول ترجمہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے: "جیسا کہ میرا قاعدہ ہے کہ ترجمے میں مضمون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو تو ضرور پیش نظر رکھتا ہوں مگر لفظوں کی پابندی کو چھوڑ دیتا ہوں، اور اگر میں ترجمے کی لفظی الجھنوں میں پڑ جاؤں تو مطلب فوت ہوجانے کے علاوہ عبارت کی روانی میں بھی فرق آجائے" (ص: ۱)۔ یہ مترجم کہانی رواں، سلیس اور بامحاورہ ہے۔

۱۳- لخت جگر:

یہ کتاب ۱۹۲۰ء میں لکھی گئی اور عزیزی پریس، آگرہ سے ۱۹۲۱ء میں دو جلدوں میں طبع ہوئی۔ پہلی جلد ۳۳۶ صفحات اور دوسری جلد ۳۷۵ صفحات پر مشتمل ہے۔

بشیرالدین نے یہ کتاب اپنی بیٹی بشرہ کے جہیز میں دینے کے لیے تحریر کی تھی۔ اس کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: میرے باپ نے بڑی بہن کے لیے مرآۃ العروس اس طرز کی پہلی کتاب لکھ کر ان کے جہیز میں دی تھی جسے پوری نصف صدی گزر گئی، اور کیا ہی بہتر تحفہ تھا جو آج تک باقی ہے۔ ..... دل میں بیٹھے بیٹھے یہ خیال گدگدایا کہ لاؤ اسے بھی جہیز میں ایک ایسا ہی نفیس تحفہ اور بے بدل چیز دی جائے جو مدتوں یادگار رہے، وہ چیز یہ کتاب ہے جس کا نام لخت جگر ہے" (ص: ۲۷، ۲۶)

اس کتاب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ: بچی کی پیدائش سے لے کر اس کے جوان ہونے تک اسے کس طرح کی تربیت دینا چاہیے، اس کی صحت کی کیا اہمیت ہے، اس کی بلوغت کے کیا مسائل ہوتے ہیں، اس کی شادی کے کیا مسائل ہوتے ہیں، اس کا رشتہ کس طرح اور کس قسم کے لوگوں میں ہونا چاہیے، شادی کے بعد اس کن مسائل کا سامنا ہوتا ہے، شوہر سے وہ کیا چاہتی ہے، شوہر اس سے کیا توقعات وابستہ کرتا ہے، ساس، سسر اور دیگر اہل خانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ساتھ معاملات کی نوعیت کیا ہونا چاہیے، غرض کہ ان تمام امور کو بشیرالدین نے نہایت عمدگی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ اس کتاب کے مندرجات کے مطالعے سے لڑکیوں کی پرورش و تربیت کی بابت بشیرالدین کے نظریات اور لائحہ عمل سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ لخت جگر کا پہلا حصہ سوانحی معلومات کے لحاظ سے بوجوہ اہمیت کا حامل ہے کیونکہ:

(الف) بشیرالدین نے اس میں اپنے والد ڈپٹی نذیر احمد کی مختصر سوانح تحریر کی ہے اور اس ضمن میں متعدد نئی معلومات بہم پہنچائی ہیں جو کہ نہایت مستند ہیں۔ ڈپٹی نذیر احمد پر کام کرنے والے کسی بھی محقق نے اس ماخذ سے استفادہ نہیں کیا ہے۔

(ب) بشیرالدین نے اپنی مختصر سوانح، مشاغل اور معاملات رقم کیے ہیں۔ یہ حصہ ان کی خود نوشت سوانح کی وجہ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس حصے میں انہوں نے اپنے اخلاف کی بابت بھی خاصی معلومات فراہم کی ہیں۔

(ج) بشیرالدین نے اپنی بیٹی بشریٰ کی پیدائش سے شادی تک کے دور کا سوانحی خاکہ لکھا ہے۔ اس ضمن میں رقمطراز ہیں:
اس کتاب میں ہمارے خاندان کی مختصر ہسٹری اور بشریٰ طول عمرہا کے بچپنے کا خاکہ ہے۔ جو جو امور پیش آئے، جو اسے بتلائے گئے، سب کو ایک جا کردیا گیا ہے کہ جب اس پر نظر پڑے گی تو اس کی سوانح عمری کا نقشہ سامنے پھر جائے گا کہ کس طرح ہم نے پالا پوسا، کیسا اٹھایا، کیونکر پڑھایا لکھایا، کیا کیا باتیں اس کے کان میں ڈالیں۔" (ص: ۲۷) بشریٰ کے سوانحی خاکے کے ذیل ہیں۔ بشیرالدین کی زندگی کے بھی متعدد واقعات و حالات مذکور ہوئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(د) اس حصہ میں بشیرالدین نے اپنے والد اور دیگر اہلِ خانہ کے متعدد نایاب فوٹو بھی شامل کیے ہیں، ان امور کے مد نظر لخت جگر، حصہ اول، ان کے خاندان کی مختصر تاریخ کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ لخت جگر کی دوسری جلد میں انھوں نے متعدد شعراء و ادباء کی ایسی تحقیقات کو جمع کیا ہے، جن میں سیرت نسواں کے کسی نہ کسی پہلو کو موضوع بنایا گیا تھا۔ اس جلد کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر حصے کو ضمیمے کا عنوان دیا گیا ہے۔ ضمیمۂ اول کو بہارستان نثر اور ضمیمہ دوم کو چمنستان نظم قرار دیا گیا ہے۔

"بہارستان نثر" میں مندرجہ ذیل ادباء کے ۱۴ مضامین جمع کیے گئے ہیں:

مولوی ذکاءاللہ، مولوی نذیراحمد، غلام بھیک نیرنگ، سیداحمد دھلوی، محمد عبداللہ خان، الطاف حسین حالی، اھلیہ خواجہ حسین علی، مولوی محمد اسمٰعیل میرٹھی، سر سید، بشیرالدین احمد، وحیدالدین سلیم، خیرالنساء بیگم، محمدی بیگم۔

"چمنستان نظم میں مندرجہ ذیل ۱۷۵ شعراء کی منظومات شامل ہیں: مضطر، ھادی، اسمٰعیل میرٹھی، اکبر الہ آبادی، مولوی ممتاز، غلام امام شہید، سید محمد شاہ اکبر، شاد پھلواڑیہ، اوج گیاوی، صفی لکھنوی، حالی، آزاد، اقبال، بیتاب، عارف، محروم، دل، انق، سہر، چکبست، ناظر، صدر، ڈپٹی نذیر احمد، شاد عظیم آبادی، عبرت، سدرشن، محمد فاروق دیوانہ، عبدالغفور شہباز، محوی لکھنوی، نیرنگ، سرور جہان آبادی، محمدی بیگم، وھاج الدین، ذھین، شاکر میرٹھی، جگت موھن لال رواں، امجد حیدرآبادی، ھوش بلگرامی، شائق سہارنپوری، وجاھت جھنجھانوی، شوق قدوائی، نظیر اکبر آبادی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شوق لکھنوی، نفیس لکھنوی، آنس، انیس، دبیر، طالب بنارسی، اعجاز، نجم، اسلم عظیم آبادی، عزیز لکھنوی، اختر جونا گڑھی، سراج الدین ظفر اور بشیرالدین احمد۔

بشیرالدین احمد مشرقی تہذیب کے پروردہ اور نمونہ تھے۔ انہوں نے اس کتاب کو ہر ہر پہلو سے مشرقی تہذیب اور اخلاق کا ایک جامع صحیفہ بنانے کی کوشش کی ہے اور بلاشبہ اس میں انہوں نے مشرقی تہذیب و اقدار کی روح کو سمودیا ہے۔

۴ ۔ شمع ہدایت:

بچوں کی اخلاقی تعلیم کے موضوع پر ڈاکٹر اسٹال نے انگریزی میں ایک کتاب "With the children on Sunday" تحریر کی تھی۔ یہ کتاب شائع ہوتے ہی امریکہ اور یورپ میں خاصی مقبول ہوئی۔ بشیرالدین نے اس کتاب کی افادیت اور موضوعات کی جاذبیت کو محسوس کرتے ہوئے اس کا ترجمہ شمع ہدایت کے عنوان سے کیا۔ کتاب ۴ اگست ۱۹۲۱ع کو دہلی میں مکمل ہوئی اور اسی سال دلی پرنٹنگ پریس، دہلی سے ۴۰۰ صفحات پر شائع ہوئی۔ کتاب کو ۳۵ موضوعات میں تقسیم کیا گیا ہے یہ کتاب اخلاقیات کے موضوع پر بچوں کے لیے عمدہ کتاب ہے۔ ڈاکٹر اسٹال نے انگریزی کتاب میں مثالیں اور حوالے بائبل سے دیے تھے۔ بشیرالدین نے اس میں یہ ترمیم کی کہ متعلقہ مقامات پر قرآن و حدیث کے حوالے اور مثالیں درج کی ہیں۔ انہوں نے اس امر کا بھی التزام رکھا ہے کہ ترجمے میں اصل کتاب کا صرف مفہوم باقی رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے اپنے ترجمے میں اس قدر اضافے اور ترامیم کی ہیں کہ ترجمہ بجائے خود ایک مستقل تصنیف کا درجہ اختیار کر گیا ہے۔ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: میرے ترجمے تیلی کے بیل کی طرح لکیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مقید نہیں، یعنی لفظی ترجمے نہیں۔ ایک زبان کے خیالات کو دوسری زبان میں لانا اور پھر اصلی زبان کی انشاپردازی کی خوبیوں کو برقرار رکھنا بڑی ٹیڑھی کھیر اور ترجمے کی مشکلات میں سب سے زیادہ دقت ہے۔ دوسرے ترجمے اس قید سے اس وجہ سے آزاد ہیں کہ میں نے مضمون کا اتباع کیا ہے، لفظوں کی پابندی نہیں کی اور اس طرح یوروپین لیف (لائف) کو ہندوستانی پوشاک میں اپنے ملک و ملت کے مناسب حال طرز میں پیش کیا ہے۔ اس کو بھی اس ڈھنگ پر میں نے لکھا ہے، جیسی کہ اور کتابیں لکھی ہیں۔ ناظرین خود ملاحظہ فرمالیں گے اور شاید مشکل سے اسے ترجمہ خیال فرمائیں، بلکہ عجب نہیں کہ جداگانہ مستقل تصنیف سمجھیں کیونکہ میں نے اپنی طرف سے جو بات اپنی سوسائٹی کے حسب حال سمجھی کہیں بڑھادی، اور جو ہم سے میل نہ کھاتی توی، گھٹا دی۔" (ص: ۱۰)

بشیرالدین نے بچوں کی ذہنی و علمی سطح کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کتاب میں نہایت سلیس اور سادہ زبان استعمال کی ہے۔ انگریزی الفاظ کے استعمال سے دانستہ گریز کیا ہے۔ دلچسپی کا عنصر بڑھانے کے خیال سے انہوں نے شمع ہدایت میں جا بجا اشعار اور متفرق منظومات کے ٹکڑے بھی درج کردیے ہیں۔ منظومات کی کثرت سے کوئی صفحہ بھی خالی نہیں۔ یہاں پر وہ افراط کا شکار ہوگئے ہیں۔

شمع ہدایت کے آغاز میں بشیرالدین کی ۱۹۲۰ع کی کھنچی ہوئی ایک عمدہ تصویر بھی شامل ہے۔ کتاب کے آخر میں مولوی رئیس احمد، سید محی الدین خاں دہلوی اور سید ناصر نذیر فراق کی اردو تقاریظ وقطعات تاریخ اور محمد اسحاق کی فارسی تقریظ شامل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵- درد دل:

یہ ۱۴۴ اشعار پر مشتمل ایک مثنوی ہے جو بشیرالدین نے اپنی اہلیہ (سید زمانی عرف چھوٹی دلہن) کی یاد میں لکھی تھی۔ یہ مثنوی اپریل ۱۹۲۲ میں لکھی گئی اور اس سال پہلی مرتبہ دلی پرنٹنگ پریس، دہلی سے ۵۵ صفحات پر طبع ہوئی۔ درد دل کے آغاز میں داغ دہلوی کی حمد اور امیر مینائی کی نعت شامل کی گئی ہے۔ مثنوی کے ابتدائی گیارہ اشعار غلام امام شہید کے ہیں۔

بشیرالدین نے اس مثنوی کی شان نزول اس طرح بیان کی ہے:

"یہ چھوٹی سی کتاب جو چھوٹی دلہن کی یاد تازہ کرنے کو لکھی گئی ہے، جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں منظوم ہے۔ ٹوٹی پھوٹی نثر تو میں لکھ لیتا ہوں، مگر نظم تو نظم، ایک مصرع موزوں کرنے کا بھی فی عمری اتفاق نہیں ہوا، لیکن اس ناگہانی صدمے نے میرے دل میں ایک نئی قسم کی تڑپ پیدا کردی ہے... یہ چند ٹوٹے پھوٹے اشعار اسی کا ابال ہیں، بشرطیکہ ان کو اشعار کہہ سکیں۔ شاعری ایک فطرتی جوش اور قدرتی امنگ کا ابھار ہے۔ جس دل میں درد کی کسک نہ ہو وہ شعر کہنے پر قدرت نہیں پاسکتا"۔ (ص: ۱۰)۔

بشیرالدین نے اس مثنوی میں اپنی واردات قلبی کی سچی تصویر کھینچی ہے۔ مثنوی میں انھوں نے پہلے اپنی پیدائش، تعلیم و تربیت، پہلی شادی (بہ عمر ۱۶ سال) دوسری شادی کی وجہ، دوسری شادی (پہلی شادی کے بیس سال بعد یعنی بہ عمر ۳۲، سال) کی تفصیل رقم کی ہے، پھر مرحومہ اہلیہ سے اپنے تعلقات اور محبت کی روداد لکھی ہے۔ آخرمیں اہلیہ کی موت کا واقعہ بیان کر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اپنے رنج واندوہ کا اظہار کیا ہے ۔ مثنوی کے اختتام پر حکیم لطیف احمد کا قطعہ تاریخ ہے ۔ انھوں نے ”درد دل خراش“ سے تاریخ نکالی ہے ۔ جس سے ۱۳۴۰ مستخرج ہوتے ہیں ۔

بشیرالدین کو اردو شاعری میں ردیف و قافیہ کی پابندیوں کی وجہ سے مطالب و معنی میں پیش آمدہ رکاوٹوں کا احساس تھا ۔ وہ شاعری کو فطری روپ میں دیکھنے کے خواہش مند تھے ۔ اس کا اظہار انھوں نے اس طرح کیا ہے : شاعری کو قواعد و عروض میں ایسا سخت جکڑ دیا گیا ہے کہ آمد سے آورد ہوگئی ۔ انگریزی میں نظم کی اتنی پابندیاں نہیں ۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ خالص شاعری کسی قید کی پابند نہیں ورنہ ایک جنگل کے چروا ہے کو جو اجڈ اور جاہل محض ہے کبھی اپنی راگنی گنگنانے میں وہ لطف و حظ نہ آتا جو کہ اس کے نفس کو ملتا ہے اور وہ اس لطف و سوز و گداز سے کسی طرح کم نہیں جو ہم کو کسی بلند پایہ اور نامور شاعر کے کلام میں آتا ہے“ (ص : ۱۱، ۱۲) ردیف و قافیہ اور عروض کی پابندیوں پر ان کا اعتراض ، شاعرانہ صلاحیتوں اور فنی پختگی کے فقدان کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے ۔ ان کی شاعری پر اجمالی گفتگو کے لیے ”دیوان بشیر“ پر تبصرہ ملاحظہ کیا جائے ۔

۱۶ ۔ تمثال الا مثال:

بشیرالدین نے محاوروں ، مثلوں ، پہیلیوں ، چیستانوں ، دوھوں ، کہہ مکرنیوں ، دو سخنوں ، سہ سخنوں ، انمل ، ڈھکوسلوں وغیرہ کی مشرح اور مبسوط لغت دو جلدوں میں مرتب کی تھی ۔ یہ کتاب غیر مطبوعہ ہے ۔ شاھد احمد دھلوی نے تمثال الا مثال کے متعلق درج ذیل معلومات فراہم کی ہیں: ابا نے ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی ”تمثال الامثال“ ۔ اس میں محاورے ضرب الا مثال اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہاوتیں جمع کرنی شروع کی تھیں۔ اپنے جاننے والوں اور خاندان کی پڑھی لکھی عورتوں میں سادی کاپیاں تقسیم کردی تھیں کہ جو محاورہ یاد آئے اس میں لکھلو۔ جتنی کتابیں مل سکیں خریدیں یا مستعار لیں۔ یہ کام اتنا پھیلا کہ پرچیاں اور کاغذوں کے پلندے دیکھ کر ہی ہمارا دم نکلتا تھا۔ کوئی مددگار انھوں نے اپنا مقرر نہیں کیا، خود ہی سارا کام کرتے۔ تمام شاعروں کے دیوان اور ادیبوں کی کتابیں خود ہی چھانتے رہتے۔ فرہنگ آصفیہ اور نوراللغات تو کبھی کی مسودوں میں کھپ چکی تھیں۔ سند کے لیے اشعار بھی چھانٹے جاچکے تھے، مگر یہ کتاب تو پھیل کر زبان کی انسائیکلو پیڈیا بنتی جارہی تھی۔ پہلیاں، کہہ مکرنیاں، دو سخنے، سہ سخنے، انمل، ڈھکوسلے اور خدا جانے کیا کیا اس میں شامل کیے جانے لگے۔ شاید ابا بھی اس سے گھبرا گئے تھے، اسی لیے انھوں نے جی بہلانے کے لیے شاعری شروع کردی۔ شاعری اور دوسری کتابوں میں الجھ جانے سے یہ ہوا کہ "تمثال الامثال" رہ گئی . . . اگر ابا چار پانچ سال اور جی جاتے تو شاید خود ہی ختم کرلیتے۔ ہم نے اس سارے پشتارے کو ایک مضبوط کپڑے میں باندھ کر مچان پر ڈال دیا تھا۔ ہمارے پاکستان چلے آنے کے بعد خدا جانے اس کا کیا حشر ہوا (میرے والد مرحوم، ص: ۶۳،۲۵)۔

ڈاکٹر اسلم فرخی کی روایت کے مطابق یہ کتاب ہنوز اسی صورت میں بشیرالدین کے بیٹے محمد مسلم کے پاس دھلی میں محفوظ ھے۔ شاھد احمد دھلوی کے بیان سے معلوم ھوتا ھے کہ تمثال الامثال متفرق کاغذوں اور پرزوں کی صورت میں ناتمام رہ گئی لیکن شواھد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پتا چلتا ہے کہ بشیرالدین نے اس کتاب کا مسودہ طباعت کے واسطے دو جلدوں میں تیار کرلیا تھا۔

فرامین السلاطین ۱۹۲۶ء میں طبع ہوئی، اس کی پشت پر تمثال الامثال کا اشتہار چھپا ہے جس میں اس کی دو جلدوں کی صراحت ہے اور قیمت (دو روپے) مذکور ہے۔ مذکورہ اشتہار سے اس کتاب کا مسوداتی شکل میں آنا ثابت ہوتا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تمثال الامثال کا زمانۂ ترتیب کیا ہے؟ بشیرالدین اپنی کتاب انشائے بشیر میں لکھتے ہیں: مجھے عورتوں کی انشاء لکھنے کا ایسے وقت خیال آیا کہ میں تمثال الامثال جیسی مبسوط کتاب کی تدوین میں گتھا ہوا تھا... محاورات کی کتاب کو لکھتے دو برس ہونے کو آئے، اب تک اس کی تھاہ نہیں لگی۔ بیچ میں دیوان حائل ہوا، خدا نے اس مشکل تو آسان کردیا۔ انشاء کے دس پانچ خطوط لکھ کر چھوڑ دیے، پھر وہی محاوروں کی کتاب لے بیٹھا" (انشائے بشیر، ص: ۳۳۲) یہ تحریر دسمبر ۱۹۲۴ء کی ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمثال الامثال کا زمانۂ آغاز ۱۹۲۲ء کے گرد و پیش قرار دیا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کتاب کو جلد از جلد شائع کیا جائے تا کہ اس موضوع پر ایک اہم اور وقیع کتاب منظر عام پر آسکے۔

۱۷۔ دیوان بشیر:

دیوان بشیر اکتوبر ۱۹۲۴ء میں دلی پرنٹنگ پریس، دھلی سے ۱۹۶ صفحات پر طبع ہوا۔ اس میں ۲۰۱ غزلیں، چار مناجاتیں، تین سلام، تین قصیدے، چھے مبارکبادیں، سات سہرے، دو نوحے اور تین متفرق منظومات ہیں۔ دیوان کے اختتام پر نوح ناروی اور ولی اشرف دھلوی وغیرہ کی تقاریظ اور قطعات تاریخ ہیں۔ انھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے دیوان کے آغاز میں بارہ صفحات کا دیباچہ لکھا ہے جس میں اپنے دیوان کی تصنیف، اگلے وقتوں میں شعراء کی قدردانی اور شعر کی اثر پذیری وغیرہ کا بیان ہے۔ یہ پورا دیباچہ ان کی مخصوص طول کلامی کا ایک نمونہ ہے۔ اس دیباچے کے ضروری مطالب صرف ایک پیراگراف میں باآسانی سموئے جا سکتے تھے لیکن اس طویل دیباچے کو پڑھنے کے بعد بھی اصل مدعا تک رسائی مشکل ہے۔ اپنے دیوان کی قدر و قیمت کے ضمن میں رقم طراز ہیں: "ایک بات یہ بھی قابلِ غور ہے کہ کسی شاعر کا کلام خواہ وہ کتنا ہی بلند پایہ اور ماہر کیوں نہ ہو، باعتبار حسن و خوبی، فصاحت و بلاغت، برجستگیٔ مضامین، چستیٔ بندش، غرض جس پہلو سے چاہو دیکھو، جانچو، ٹٹولو، پرکھو، ممکن نہیں کہ کانٹے کی تول یکساں ہو۔ اس میں کوئی ہلکا ہوگا، کوئی بھاری، کوئی آمد ہوگا، کوئی آورد . . . یہی حال ان چند اوراقِ پریشاں کا ہے جن کو دیوان کہتے ہوئے بھی مجھے شرم آتی ہے، رطب ویابس جیسا کچھ ہے حاضر ہے . . . میرے والد ماجد نے آخری عمر میں نظم کی طرف توجہ کی تھی، میں نے بھی وہی ڈھنگ اختیار کیا ہے" (ص: ۱۱)

اپنے سلسلۂ تلمّذ کی بابت بشیرالدین رقم طراز ہیں: "میں جناب نواب سراج الدین سائل دہلوی، جناب وحید الدین بیخود دہلوی اور جناب سید احسن مارہروی کا ممنون ہوں کہ ان صاحبوں نے میری متعدد غزلوں کو بہ نظر اصلاح ملاحظہ فرمایا اور سب سے زیادہ جناب محمد نوح صاحب نوح ناروی کا شکر گزار ہوں کہ صاحب ممدوح الشان نے باوجود تردد و افکار میرے دیوان کو شروع سے آخر تک بہ نظر غائر ملاحظہ فرمایا اور اس قدر توجہ خاص سے جابجا حک و اصلاح فرمائی کہ دیوان کی شکل نکل آئی" (ص: ۱۲) نوح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناروی نے دیوان بشیر کی تقریظ میں اپنی اصلاح کی روداد اس طرح قلمبند کی ہے :"مولوی بشیرالدین کا نام بہت دنوں سے سنا کرتا تھا لیکن ملاقات کی نوبت نہ آئی تھی۔ اتفاق سے پار سال دلی گیا اور بہت دنوں سائل دہلوی کا مہمان رہا۔ ایک روز بھائی سائل نے خاص طور پر ان کو مجھ سے ملوایا ... کئی ملاقاتوں کے بعد جب کچھ بے تکلفی بڑھی تو انھوں نے مجھے چند غزلیں دکھائیں اور یہ بھی خواہش ظاہر فرمائی کہ میں ان میں کچھ ترمیم و تنسیخ کروں۔ چنانچہ میں نے کئی غزلیں وہیں اصلاح کیں اور پھر جب اپنے وطن (نارہ) آیا تو ان کا جدید کلام برابر میرے پاس اصلاح کے لیے آتا رہا۔ ابھی دو تین مہینے گذرے تھے کہ انھوں نے مجھے لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ جس قدر میرا پچھلا کلام میرے پاس بطور دیوان کے موجود ہے وہ بھی دیکھ لیا جائے اور جہاں تصرف کی جگہ ہو وہاں تصرف کیا جائے۔ اگرچہ مجھ جیسے عدیم الفرصت کے لیے یہ بڑی دشوار بات تھی، تاہم میں نے ان کی دل شکنی کے خیال سے اور ان احسانوں پر نظر کرتے ہوئے جو مجھ پر انھوں نے دلی میں اکثر موقعوں پر کیے تھے، اس کو منظور کرلیا، اور دیوان آنے پر شروع سے آخر تک ایک گہری نظر ڈالی اور جہاں اصلاح کی ضرورت ہوئی، اصلاح کی"۔ (ص : ۱۶۳)

شاہد احمد دہلوی نے ان کی اصلاح کی روداد اس طرح بیان کی ہے : "ا‍ؔبا نے جی بہلانے کے لیے شاعری شروع کی، مگر یہ شاعری تو ان کے گلے کا ہار ہوگئی۔ ایک ایک دن میں دس دس، بیس بیس غزلیں ہونے لگیں۔ پھر انھیں خیال آیا کہ لاؤ کسی استاد سے بھی مشورہ کرلیا جائے۔ پہلے استاد بیخود سے رجوع کیا، تھوڑے دن کو نبھی، اس کے بعد ان سے چٹخ گئی۔ استاد بڑے منہ پھٹ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بد لحاظ آدمی تھے، انھوں نے یہ دیکھا کہ یہ شاگرد تو اصلاح پر حجت کرتا ہے، صاف جواب دے دیا کہ آپ کو اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ استاد بیخود کے ٹرخانے پن سے بیزار ہو کر نواب سائل سے ناتا جوڑا۔ ان سے دوستی پہلے بھی تھی، وہاں بھی اصلاح پر اختلاف ہوا۔ نواب کہتے کہ "اس مصرع کو یوں کر لو"۔ ابا کہتے "نہیں جی، میرا مصرع ہی ٹھیک ہے"۔ نواب سائل مدمغ آدمی تھے مگر شائستہ۔ انھوں نے کچھ عذر معذرت کر کے اپنے استاد بھائی نوح ناروی سے اصلاح لینے کا مشورہ دیا۔ نوح صاحب سے میزان پٹ گئی۔ وہ مرنجاں مرنج قسم کے آدمی تھے اور بڑے پرانے تجربہ کار۔ دو چار ہی خطوں میں جان گئے کہ یہ شاگرد اصلاح سے چڑتا ہے۔ یہاں سے غزلوں کا پلندہ تارہ جاتا اور دو چار مصرعوں کی تبادینی کے بعد جوں کا توں آجاتا۔ غرض سال ڈیڑھ سال میں مردف دیوان تیار ہو گیا" (میرے والد، ص: ۲۳) ہمارا خیال ہے کہ اصلاح کے ضمن میں شاہداحمد دہلوی کا بیان ہی درست ہے۔ نوح ناروی مسلم استاد اور عروض کے ماہر تھے۔ اگر وہ بشیرالدین کے کلام کو بغور اور بہ نظر اصلاح دیکھتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ ایسے فنی اسقام باقی رہ جاتے، جو دیوان بشیر میں اب نظر آتے ہیں۔

ان کی طبیعت کو شاعری سے قطعاً مناسبت نہ تھی۔ وہ نثر کے مرد میدان ہیں۔ ان کی شاعری عامیانہ خیالات، عاشقانہ رسومات اور سوقیانہ جذبات کے اظہار پر مشتمل ہے، ان کے یہاں نہ تو نئے افکار و خیالات ملتے ہیں، نہ بندشوں کی چستی اور نہ محاورے کا عمدہ استعمال ہی ملتا ہے۔ ان کی شاعری میں دبستان دہلی کی خصوصیات مثلاً علوئے فکر، تصوف، گہری داخلیت اور پاکیزگیٔ بیان بھی مفقود ہیں۔ ان کی پوری شاعری معمولی تک بندی کا مرقع ہے۔ ایک نوحے کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آنکھیں رسیلی، مدھ بھری، کیسی بڑی، کتنی بھلی
جن پر پڑی پلکوں کی چک مژگاں تھیں برچھے کی انی
آنکھیں کٹورا سی کھلی، موتی بھرے تھے کوٹ کر
صبر و قرار و دل کو وہ، لے جاتی تھی بس لوٹ کر
گردن بھی کتنی خوب تھی، گردن بھی تھی کتنی بھلی
لمبی، صراحی دار تھی، شفاف، سانچے میں ڈھلی
سینہ خزینہ تھا بھرا جو نور کا گنجینہ تھا۔
اس کی صفائی دیکھ کر حیران بہت آئینہ تھا"
(ص: ۱۸۲)

قوت اظہار کی بے بضاعتی سے قطع نظر، یہ اشعار کم از کم کسی نوحے کے معلوم نہیں ہوتے، ہاں اپنے مندرجات کے لحاظ سے کسی غزل یا قصیدے کے ضرور دکھائی پڑتے ہیں۔ وہ روانیٔ بیان میں نفس مضمون اور موضوع دونوں سے بےنیاز ہوجاتے ہیں۔ ان کی ایک نظم "ترانہ قومی" کے عنوان سے دیوان میں شامل ہے جس کا مطلع درج ذیل ہے:

ہے روز یہ وظیفہ ورد زباں ہمارا
ہندوستان کے ہم ہیں، ہندوستان ہمارا

۲۸ اشعار کی یہ نظم، علامہ اقبال کی مشہور نظم: سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا، کی صدائے باز گشت ہے۔ ان کی نظم "دنیا کی ایک جھلک" کے دو اشعار ملاحظہ کیجیے:

"اٹھ صبح ہوئی کیا سوتا ہے کیا سوتا ہے کیا سوتا ہے
اب وقت سہانا کیسا ہے اب نور کا تڑکا ہوتا ہے
اس کشت جہاں میں خوش ہوکر کاٹے گا وہی جو بوتا ہے
پھر بعد کو حاصل کیا اس سے رونے کا زمانہ آتا ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوتھے مصرع کا قافیہ غلط ہے۔ ھوتا، بوتا، سوتا کا قافیہ آتا، نہیں ھو سکتا۔

غزل کا ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

راہ پر وہ آگئے وعدے وفا ھونے لگے
اور تحفے بھی مجھے اکثر عطا ھونے لگے

اردو کی شاعری کی پوری روایت میں وہ پہلے فرد ھیں کہ جنھوں نے محبوب کی جانب سے تحفوں کی وصولیابی کی نوید سنائی ہے۔

۱۸- افسانۂ بشیر:

یہ کتاب ۱۹۲۳ء میں مکمل ھوئی اور اس سال دلی پرنٹنگ ورکس، دھلی سے ۳۳۶ صفحات پر شائع ھوئی۔ کتاب کے آخر میں چار صفحات پر مشتمل غلط نامہ ہے۔

انشائے بشیر ایک سو مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ کتاب کے عاز میں ڈاک اور ڈاکخانہ سے متعلق تمام امور کی ضاحت کی گئی ہے اور ان کی رعایت سے متعلقہ امور کی انجام دھی کے طریق کار بھی تحریر کیے گئے ھیں، علاوہ ازیں ریل کے سفر سے متعلق بھی ھدایات درج ھیں۔ اس موضوع کے ذیل میں، ریل کی اقسام، اسباب سفر کی پیمائش اور وزن، اور ریل کا ٹکٹ وغیرہ کی خریداری کی تصریحات بھی درج ھیں۔ یہ تمام حصہ کتاب کے اصل موضوع سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔

بشیرالدین نے سیرت و تعلیم نسواں کے موضوع پر مختلف جہتوں سے خامہ فرسائی کی ہے، انشائے بشیر بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس عہد میں خواتین کا ایک اھم مسئلہ مکتوب نویسی تھا۔ خواتین کی اکثریت نوشت و خواند کی صلاحیتوں سے بے بہرہ ھوتی تھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اگر کوئی خاتون تحریر کی معمولی قابلیت رکھتی بھی تھیں تو وہ مکتوب نویسی کے آداب و قواعد سے ناآشنا ہوتی تھیں۔ یہ کتاب عورتوں کی اسی ضرورت کے پیش نظر تالیف کی گئی ہے۔ ان کا مطمحِ نظر خطوط نویسی کے قواعد اور آداب کی تعلیم تھا۔ نمونے کے طور پر انھوں نے موعظہ حسنہ میں سے دس خطوط لیے، اور اپنے دس خطوط اور چند متفرق تحریریں انتخاب کیں اور مختلف خواتین سے فرمائشی خطوط لکھوا کر اس میں شامل کیے ہیں۔ اس کتاب میں دیگر خواتین کے خطوط کی صراحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: اگر بہنیں میری مدد نہ کرتیں اور میرا ہاتھ نہ بٹاتیں تو کتاب اس قدر جلد اور ایسی، جیسی کہ اب ہے، تیار نہ ہوتی؛ اور اگر ہوتی بھی تو صرف میرے خیالات اور میری زبان ہوتی۔ رہی یہ انشأ! خود عورتوں کی زبان ہے اور ان ہی کے خیالات ہیں اور یہی اس میں جدت و ندرت ہے (ص: ۳۲۴)

بشیرالدین نے اس کتاب میں دیگر خواتین کے مکاتیب کو من و عن شامل نہیں کیا بلکہ پہلے ان کی درستی اور اصلاح کی ہے۔ اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”جن بہنوں نے مختلف دیار و امصار سے خطوط لکھے ہیں ان کو میں نے حتی المقدور بہ لحاظ مضمون جوں کا توں رہنے دیا ہے تاکہ مختلف خیالات کا توازن ہو سکے، ہاں زبان کے اعتبار سے جہاں ضرورت تھی کچھ گھٹا، بڑھا دیا ہے، مگر وہ بھی بہت کم۔ دہلی کی زبان و محاورات سے جہاں قدم ڈگمگایا وہیں میں نے کچھ سہارا لگا دیا ہے“ (ص: ۳۲۴)
بشیرالدین نے اپنی اصلاح سے تمام خطوط کو دہلی کے محاورے کے مطابق تو بنادیا لیکن اس اصلاح سے ایک نقصان یہ ہوا کہ مختلف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیار و امصار کے نسوانی محاورات کا جو مرقع سامنے آتا، ہم اس سے محروم ہوگئے۔

بشیرالدین کے نزدیک محاورات، روزمرہ اور ضرب الامثال کسی بھی نثر کا بنیادی جزو ہوتے ہیں۔ ان کی کوئی بھی تحریر ان لوازم سے مبرا نہیں ہوتی۔ یہ لوازم جہاں بے ساختہ اور بے اختیار استعمال ہوں تو مفہوم و معنی میں چار چاند لگ جاتے ہیں، لیکن جہاں ان کی ٹھونس ٹھانس کی گئی ہو وہاں ان کی اہمیت نہ صرف کم ہوجاتی ہے بلکہ متعلقہ نثر بھی ان لوازم کا گورکھ دھندا بن جاتی ہے۔ انشائے بشیر میں انہوں نے محاورات وغیرہ کے استعمال میں قدرے اعتدال کا ثبوت دیا ہے۔

۱۹۔ حکایات لطیفہ:

اس کتاب کے بابت شاہد احمد دہلوی نے یہ معلومات فراہم کی ہیں: ایک دن بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ اردو میں کوئی مجموعہ شائستہ لطیفوں کا نہیں ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ سال بھر کے اندر ہی چھ کتابیں تیار کرکے چھاپ دیں۔ تین حصے حکایات لطیفہ کے ہیں اور تین حصے لطائف عجیبہ کے (میرے والد مرحوم، ص: ۱۸) ہمیں باوجود تلاش کے حکایات لطیفہ کا کوئی حصہ دستیاب نہیں ہوسکا۔ دیگر ذرائع سے صرف اتنی اطلاع ملی کہ یہ کتاب دلی پرنٹنگ پریس، دہلی سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

۲۰۔ لطائف عجیبہ:

اس کتاب کے تینوں حصے دلی پرنٹنگ پریس، دہلی سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئے تھے۔ ہمیں تلاش کے باوجود اس کتاب کا کوئی حصہ بھی دستیاب نہ ہوسکا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۱- فرامین السلاطین :

بشیرالدین کو تاریخی تحقیقات کا شوق ہمیشہ رہا۔ جب بھی موقع ملا اور حالات نے اجازت دی تو انہوں نے اس موضوع کو ضرور چھیڑا۔ اسی شوق میں انہوں نے شاہان، امراء، وزراء، نوابین اور دیگر اہم شخصیات کے فرامین کی جمع آوری کا کام بھی کیا۔ اس کتاب کا ڈول اس وقت ڈالا گیا جب وہ بسلسلۂ ملازمت حیدرآباد (دکن) میں مقیم تھے۔ اس کے پس منظر کی بابت رقمطراز ہیں۔ جب سرکار عالی نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کی ملازمت میں تھا تو مجھے تحقیقات عطیات اور فصلِ خصوصات میں بہت سے فرامین دیکھنے کا اتفاق ہوا، مگر اس وقت ان کے جمع کرنے کا کچھ خیال نہ ہوا، البتہ اواخر زمانِ ملازمت میں کچھ فرامین جمع کیے" (ص: ۱۰) انہوں نے فرامین کی جمع آوری اور کتاب کی ترتیب کا کام ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد دھلی میں کیا۔ فرامین السلاطین کی ترتیب ۱۶، جنوری ۱۹۲۶ء کو مکمل ہوئی اور یہ کتاب اسی سال دلی پرنٹنگ ورکس، دھلی سے ۲۸۸ صفحات پر شائع ہوئی۔

فرامین السلاطین ۱۸۸، تاریخی دستاویزات کا مجموعہ ہے۔ بشیرالدین نے فرامین کی جمع آوری کی مہم کو پورے ہندوستان پر پھیلا دیا تھا، انہیں جہاں کہیں بھی کسی تاریخی دستاویز یا فرمان کی بھنک پڑتی، وہیں اپنا دستِ طلب دراز کرتے۔ اس تگ ودو اور مسلسل کاوش کے نتیجے میں اتنے فرامین جمع ہوگئے کہ ان کے ذھن میں اس سلسلے کی دوسری جلد بھی مرتب کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ لہذا اس ضمن میں لکھتے ہیں: "اگر ارباب بصیرت و ذوق اس کی قدر کریں گے اور ہاتھوں ہاتھ لیں گے تو دوسرا حصہ بھی مرتب ہو جائے گا۔" (ص: ۲۸۶) لیکن اسی سال ان پر فالج کا حملہ ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بیماری کا سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا۔ لہٰذا فرامین السلاطین کی دوسری جلد کی ترتیب کا ارادہ قوت سے فعل میں نہ آسکا۔ فرامین السلاطین ان کی آخری کتاب ہے۔

اس کتاب میں مندرجہ ذیل شخصیات کے فرامین، شقہ جات، عرضداشتیں، پروانے، مکاتیب، قطعات اور نکاح نامے وغیرہ درج ہیں:

محمد جلال الدین اکبر: ۶ عدد۔ محمد نورالدین جہانگیر: ۸ عدد۔ شہاب الدین شاہ جہاں: ۸ عدد۔ عالمگیر ثانی: ۸ عدد۔ بہادر شاہ: ۳ عدد۔ محمد شاہ: ۲۰ عدد۔ شاہ عالم: ۵ عدد۔ اکبر شاہ ثانی: ۱ عدد۔ علاء الدین خلجی: ۱ عدد۔ راجہ رتن سین راجہ چتوڑ: ۶ عدد۔ سلطان سلیم شاہ: ۱ عدد۔ مرزا کوکلتاش: ۱ عدد۔ داراشکوہ: ۱ عدد۔ مان موسہ ولد دوب چند: ۱ عدد۔ آقا عبدالرشید دیلمی: ۱ عدد۔ اورنگ زیب عالمگیر: ۳۸ عدد۔ نواب دلیر خاں: ۸ عدد۔ نواب کمال خاں: ۱۰ عدد۔ شہربانو عرف بادشاہ بی بی: ۱ عدد۔ شہزادہ محمد اکبر: ۱ عدد۔ شہزادہ دلاور رفیع القدر: ۱ عدد۔ شاہ ایران: ۱ عدد۔ فرخ سیر: ۲ عدد۔ نواب سردار خاں: ۱ عدد۔ حاجی محمود خاں: ۱ عدد۔ احمد شاہ: ۴ عدد۔ مجاہد الدین ابو نصر احمد شاہ: ۱ عدد۔ سلطان عالی گوہر: ۱ عدد۔ شاہ عالم ثانی: ۱ عدد۔ نواب سعادت علی خاں: ۱ عدد۔ لارڈ منٹو: ۱ عدد۔ سی ٹی مٹکاف: ۱ عدد۔ لارڈ ایلن برا: ۱ عدد۔ بہادر شاہ ثانی: ۱ عدد۔ لارڈ کالون: ۱ عدد۔ ملکہ وکٹوریہ: ۲ عدد۔ لارڈ کرزن: ۲ عدد۔ جارج پنجم: ۳ عدد۔ لارڈ منٹو: ۱ عدد۔ حکومت برطانیہ ۴ عدد۔ سلطان علی عادل شاہ: ۱ عدد۔ سلطان محمد عادل شاہ: ۱۰ عدد۔ سلطان علی محمد شاہ: ۲ عدد۔ علی عادل شاہ ثانی: ۵ عدد۔ بادشاہ بیجاپور: ۱ عدد۔ سکندر عادل شاہ: ۲ عدد۔ نواب تاج الدین خاں: ۱ عدد۔ سید احمد ابن سید ابراہیم گیلانی:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱ عدد ۔ محمد صالح ولد سید احمد گیلانی: ۱ عدد ۔ فاضلہ بیگم بنت نعمت خاں: ۱ عدد ۔ شیخ غلام معین الدین خاں: ۱ عدد ۔ سید شرف الدین شاہ عرف شاہ مدن: ۱ عدد ۔ سرفراز خاں حبیب الدولہ: ۱ عدد ۔ ٹیپو سلطان: ۱ عدد ۔ مرزا شہاب الدین: ۱ عدد ۔ سلطان غیاث الدین بلبن: ۱ عدد ۔ ہمایوں: ۱ عدد ۔ بہادر شاہ ظفر: ۱ عدد۔

بشیرالدین کی محنت کا اصل اندازہ فراہم شدہ فرامین کے پڑھنے اور مشکل مقامات حل کرنے کے سلسلے میں ہوتا ہے، کیونکہ قدیم فرامین میں کوئی خطِ شکستہ میں تھا تو کوئی خطِ شفیعا میں، کچھ دستاویزات و مکتوبات ایک مشکل خط میں تو کچھ دوسرے مشکل خط میں تھے۔ یہ بہت مشکل اور دیدہ ریزی کا کام تھا لیکن چونکہ انھیں بیجاپور کی تاریخ لکھنے کے دوران بھی اسی نوعیت کی مشکلات سے واسطہ پڑ چکا تھا، لہٰذا سابقہ تجربے کی بناء پر انھیں سہولت ہوئی۔ انھوں نے اس کتاب میں چند فرامین کے فوٹو بھی شامل کیے ہیں جن سے نہ صرف مطبوعہ متن کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے میں سہولت رہتی ہے بلکہ بشیرالدین کی غیر معمولی محنت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ آن کے ذہن میں اِن دستاویزات کی ترتیب کا کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں تھا۔ اسی لیے اس کتاب کی ترتیب میں کسی تاریخی عہد، خاندان یا اور کسی امر کا التزام نہیں کیا گیا ہے، جوں جوں دستاویز حاصل ہوتی گئیں وہ انھیں اسی ترتیب سے جمع کرتے گئے ہیں۔

حوالے

۱۔ افتخار عالم مارہروی: "حیات النذیر"، آگرہ، عثمانی پریس، ۱۹۱۲ء، ص: ۵۵۹۔

۲۔ شاہد احمد دہلوی: "میرے والد مرحوم"، مضمون مشمولہ: نیا دور، کراچی، شمارہ: ۲۸، ۲۷، ص: ۱۵۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳- "حیات النذیر"، ص : ۵۵۹-

۴- ایضاً، ص ۵۵۹-

۵- "بشیرالدین احمد": لخت جگر (حصہ اول)، آگرہ، عزیزی پریس، ۱۹۲۱ع، ص : ۵۸ تا ۶۱-

۶- "میرے والد مرحوم"، ص : ۱۸، ۱۷-

۷- "لخت جگر"، حصہ اول، ص : ۱۸۰-

۸- "میرے والد مرحوم"، ص : ۲۸-

۹- ایضاً، ص : ۲۲-

۱۰- اشرف صبوحی : "برادرم شاہد احمد"، مضمون شمولہ : ساقی، شاہد احمد دہلوی نمبر، کراچی، ص : ۱۷-

۱۱- "میرے والد مرحوم"، ص : ۱۷-

ماخذ

۱- افتخار عالم مارہروی : "حیات النذیر"، آگرہ، عثمانی پریس، ۱۹۱۲ع-

۲- اشرف صبوحی: "برادرم شاہد احمد"، مضمون مشمولہ : ساقی، کراچی، شاہد احمد دہلوی نمبر-

۳- شاہد احمد دہلوی : "میرے والد مرحوم"، مضمون مشمولہ : نیا دور کراچی، شمارہ ۲۸، ۲۷-

۴- محمد مسلم دہلوی: "مولوی بشیرالدین احمد" مضمون مشمولہ: "دلی والے"، جلد دوم مرتبہ : ڈاکٹر صلاح الدین، دہلی، اردو اکادمی ۱۹۸۸ع-

۵- بشیرالدین احمد: "اقبال دلہن"، حیدرآباد دکن، ۱۹۱۰ع-

۶- " " : "اصلاح معیشت"، دہلی، دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۸ع-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷- " : "انشائے بشیر"، دھلی پرنٹنگ ووکس، ۱۹۲۴ع-

۸- " : "بچوں سے دو دو باتیں"، آگرہ، شمسی پریس ورکس، ۱۹۲۴ع-

۹- " : "تاریخ بیجانگر"، دھلی، شمسی مشین پریس، ۱۹۱۱ع-

۱۰- " : "تمثال الامثال" (غیر مطبوعہ)-

۱۱- " : "حرز طفلاں"، دھلی، دلی پرنٹنگ ورکس، تاریخ ندارد، اشاعتِ سوم-

۱۲- " : "حسن معاشرت"، دھلی، پرنٹنگ ورکس ۱۹۱۲ع-

۱۳- " : "حکایات لطیفہ"، دھلی، دلی پرنٹنگ ورکس ۱۹۲۵ع-

۱۴- " : "خالق باری"، حیدرآباد، مطبع نظام سلور جوبلی پریس، ۱۳۳۰ھ-

۱۵- " : "درد دل"، دھلی، دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۲۲ع-

۱۶- " : "دیوان بشیر"، دھلی، دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۲۴ع-

۱۷- بشیرالدین احمد: شمع ھدایت۔ دھلی، دلی پرنٹنگ پریس، ۱۹۲۱ع-

۱۸- " : "عزم بالجزم"، لاھور، دارالاشاعت پنجاب، ۱۹۲۱، طبع سوم-

۱۹- " : "عھمائے پیری"، آگرہ، مطبع شمسی، ۱۹۱۴ع-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۰- " : "فرامین السلاطین" ، دهلی، دلی پرنٹنگ ورکس: ۱۹۲۶ع

۲۱- " : "لخت جگر"، آگرہ، عزیزی پریس، ۱۹۲۱ع-

۲۲- " : "لطائف عجیبہ"، دهلی، دلی پرنٹنگ ورکس: ۱۹۲۵ع-

۲۳- " : "نشاط عمر"، آگرہ، مطبع شمسی، ۱۹۱۱ع

۲۴- " : "واقعات مملکت بیجاپور" ، آگرہ، مطبع مفید عام، ۱۹۱۵ع-

۲۵- " : "واقعات دارالحکومت دهلی" ، آگرہ، شمسی مشین پریس، جلد اول و دوم: ۱۹۱۹ع، جلد سوم: ۱۹۲۰ع

© rasailojaraid.com